رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۷

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

الحکم

تاریخہائے اشاعت ۷-۱۴-۲۱-۲۸

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دارالاماں بینی

شرح قیمت جو ہر حال میں پیشگی لی جائیگی

(۱) عوام سے
(۲) خواص سے
(۳) ہندوستان سے باہر
(۴) غیر مذاہب
غیر مستطیع احباب سے

24

نمبر ۲۵ | قادیان دارالامان ۷ جولائی ۱۹۰۹ء مطابق ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ | جلد ۱۳

دربارِ خلافت کا ایک سین

تاریخ بتاتی ہے کہ جب جناب فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) بیت المقدس کو جا رہے تھے شہر کے قریب جس وقت پہنچے تو اس وقت آپ کی سواری کے اونٹ پر آپ کا غلام سوار تھا اور آپ اس کی مہار پکڑے ہوئے لیجا رہے تھے۔ اس سادگی اور اخوت اور مروت کے نظارہ نے دیکھنے والوں کو بہت ہی متاثر کیا یہی بات ہے قادیان میں ہوا ہے جب کوئی شخص آتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح کو اس کی آنکھیں تلاش کرتی ہیں تو وہ اس کے دربار میں پہنچکر سخت حیران ہوتا ہے جب دیکھتا ہے کہ معمولی چٹائیوں کے فرش پر بہت سے لوگ بیٹھے ہیں وہ سب کے سب نہایت بے تکلفی اور سادگی سے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں بظاہر کسی قسم کا امتیاز مسند و پائیں کا نظر نہیں آتا۔ وہ اتنا تو دیکھتا ہے کہ ایک وجود جسکے چہرہ پر ہیبت اور پُرنور بڑھاپا ان میں موجود ہے مگر اس کی نشست اور برخاست اس کا اپنے خدام سے انداز گفتگو ایسا نہیں جس سے وہ سمجھ سکے کہ یہ نورانی وجود مسند خلافت پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ مریضوں کے ہجوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر قسم کے میلے کچیلے اور بدبودار کپڑے پہنے ہوئے مریضوں کی تشخیص کرتا اور انہیں علاج بتاتا ہے انہیں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کسی قسم کے مذہبی سوال کرتے ہیں اور ان کا جواب بھی اولاً اسی منہ سے سنتے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جس وجود کو آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں وہ یہی ہے اس وقت دیکھنے والے کا تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے اور اسے **دربارِ خلافت** کا نقشہ نظر آجاتا ہے۔

ہمارا خلیفہ اور موجودہ **امام** نہایت **سادہ مزاج** اور نہایت ہی **بے تکلف** امام ہے۔ وہ ادنےٰ سے اعلےٰ کے ساتھ ایسے طور پر کلام کرتا ہے کہ ہر شخص یقین کرتا ہے کہ جو محبت اور بے تکلفی اس کے ساتھ ہے شاید کسی اور کے ساتھ نہ ہو۔ مگر یہ غلط ہے وہ سب کے ساتھ وہی ہمدردی اور محبت رکھتا ہے۔ اس کی اندرونی اور بیرونی نشست میں سادگی ہی سادگی ہے اس کے کھانے میں اس کے پہننے میں بھی سادگی ہے غرض اس کو عام میں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کا پُر شوکت اور **نورانی چہرہ** اور اس کی عام **ہمدردی** اور خدمت دین ہے جس میں تمام وقت مصروف رہتا ہے۔

میں جہاں بائیبل پڑھائی جاتی ہے یہ ایک مشہور بات ہے۔ کہ نکمے اور آوارہ گرد لڑکے اپنا وقت کا بہت سا حصہ ان فحش اور گندی کہانیوں کو پڑھنے یا ورق گردانی میں گذارتے ہیں۔ جن سے کہ عہد عتیق بھرا پڑا ہے۔ نمونے کے فقرے اور فصلیں کی فصلیں ایسی ہیں۔ کہ جن کو کوئی ماں یا باپ اپنے لڑکے یا لڑکی کو پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ گر جب سے کہ عیسائیت نے بائیبل کو لیا ہے۔ اس وقت سے ہی عہد عتیق اس کا ایک بڑا حصہ چلا آتا ہے۔ اور لڑکوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ اس کو خدا کا کلام سمجھیں۔ حالانکہ ان کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور جس کو وہ اس لیئے چوری سے پڑھتے ہیں۔ تاکہ دوسرے لڑکے کہیں ان کو ایسی کتاب پڑھتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ عہد عتیق کا ایک بڑا بھاری حصہ خونخواری بیرحمی اور وحشیانہ حالت سے بھرا پڑا ہے۔ بے شرمی۔ بد اخلاقی فحش۔ انتقام۔ خونخواری اور ظلم کے واقعات ایسے گڈمڈ پڑے ہیں۔ کہ اگر تم ایسی تمام فصلوں کو جن میں کہ وہ پائے جاتے ہیں۔ رد کرنے لگو۔ تو تمام کتابیں سے سوائے تھوڑے سے حصے کے بہت کم باقی رہ جائیگا"۔

۳۔ امریکہ کے پادری ریورنڈ ہنری وارڈ بیچر صاحب کی رائے ہے۔ کہ "بائیبل کو ہرگز ہرگز نوجوان عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہیئے"۔ اسی پادری وارڈ بیچر کے بارے میں مسٹر پارک گاڈون صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ریورنڈ ہنری وارڈ بیچر صاحب کا بائیبل کو اور اخلاقی تعلیم کے لحاظ سے رد کر دینا بائیبل کے ردی ہونیکے بارے میں ویسی ہی سند ہے۔ جیسا کہ ہربرٹ سپنسر۔ فریڈرک ہیرسن ٹنڈل۔ ہکسلے۔ ہیکل۔ کیپس وغیرہ کی"۔ جو کہ سب کے سب بائیبل کی تعلیم کے مخالف تھے۔

۴۔ ریورنڈ کینن رچرڈس صاحب سوانسی واقع ویلز کے سکول بورڈ کو اس بات کی تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "اگر تم کو اپنے بچوں کے اخلاق کا بچاؤ منظور ہے۔ تو خدا کے واسطے ان سے عہد عتیق

ہرگز نہ دو۔

۵۔ سنہ ۱۲۲۹ء میں کونسل آف ٹولوس نے یہ قانون بنا دیا تھا۔ کہ "بائیبل کی کوئی بھی کتاب کسی شخص کے ہاتھ میں نہ رہے۔ اگر کوئی اس کتاب کو پڑھتا ہوا دیکھا گیا۔ تو وہ زندہ آگ میں جلا دیا جاویگا"۔ اس بات کا ذکر رنڈل صاحب کی تواریخ پوپ کی جلد دوم میں موجود ہے۔

۶۔ رینک صاحب اپنی کتاب پوپ آف روم کی جلد اول صفحہ ۲۴۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ بائیبل کی بہت سی کتابوں کی ایک فہرست تیار کیگئی۔ اور پھر ان کو ایک بڑے ڈھیر میں جمع کر کے آگ لگا دی گئی۔ یہ کتابیں کئی دنوں تک جلتی رہیں یہی صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ نہ صرف چھاپنے اور بیچنے والوں کو ہی بائیبل کی ممنوعہ کتابوں کے چھاپنے اور بیچنے سے قانوناً منع کر دیا گیا تھا بلکہ سب کو حکم تھا۔ کہ اس قسم کی کتابوں کے جلانے میں مدد دیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے ڈھیر کے ڈھیر روم میں جلا کر تباہ کر دیئے گئے۔

۷۔ کورٹس صاحب لکھتے ہیں کہ "خدا کا کلام اگر کتابت میں نہ آتا۔ تو بہت اچھا ہوتا۔ گر بقول مردہ بولے۔ کفن پھاڑے۔ اس کے لکھے جانے سے سب بھید کھل گیا"۔

۸۔ لنڈنیس صاحب لکھتے ہیں۔ "بائیبل موم کی ناک ہے۔ جدھر چاہو پھیر لو۔ یہ ایک مردہ ہے۔ محض بھوسہ ہے مغز ندارد ہے۔ ایک مردہ قانون ہے۔ بائیبل ملحدوں کا سکول ہے۔ ایک جنگل ہے جس میں ...... پناہگزین ہیں"۔

۹۔ چوتھی لیٹرن کونسل اور کونسل آف ٹرینٹ نے بائیبل کے پڑھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ اور یہاں تک ممانعت کر دی تھی۔ کہ خاص پوپ کی طرف سے اس بارے میں حکم جاری کیئے گئے تھے کہ کوئی بائیبل کا مطالعہ نہ کرے۔

۱۰۔ پوپ انوسنٹ یازدھم نے سنہ ۱۶۸۷ء میں حکم دیدیا تھا۔ کہ جس شخص کے پاس بائیبل ملے وہ اس کو اپنے نزدیک کے پادری کو دیدے۔ تاکہ وہ اس کو آگ میں جلا دے۔

۱۱۔ پوپ کلیمنٹ سیزدہم نے حکم دے دیا تھا۔ کہ جو کوئی شخص بائیبل کا اطالی ترجمہ پڑھیگا۔ اس کو کالعدم قرار دیا جاویگا۔

۱۲۔ پوپ پائس ہفتم نے سنہ ۱۸۱۶ء میں کہا تھا۔ کہ "میں اس بات کو دیکھ کر کانپ رہا ہوں۔ کہ بائیبل چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بائیبل کا اس طرح پھیلنا بڑا بھاری جرم ہے۔ اس سے مذہب کی اصلی بنیاد بالکل کھوکھلی ہو جائیگی۔ یہ ایک پلیگ ہے۔ جس کی دوا او بیخ کنی کرنی چاہیئے۔ یہ کسی بھی روح کے ایمان کو غارت کرنے کیلئے ایک نہایت ہی خطرناک زہر ہے۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ بائیبل کا مادری زبانوں میں ترجمہ کرنے سے فائدہ کی نسبت نقصان زیادہ پہنچا ہے"۔

۱۳۔ اسی پوپ نے سنہ ۱۸۱۹ء میں ایک فتوے جاری کیا تھا جس میں آئرش سکولوں میں بائیبل کے تقسیم کرنے کے بارے میں لکھا تھا۔ کہ "یہ ایک قسم کے کانٹے بوئے جا رہے ہیں۔ بچوں کو خطرناک تعلیم دی جا رہی ہے۔ اور یہ ان کے بچپن پر ایک زہریلا اثر ڈالیگی"۔

۱۴۔ سنہ ۱۸۲۴ء میں لیو دوازدہم نے بائیبل سوسائٹی کے بارے میں کہا تھا کہ "یہ ایک ایسی سوسائٹی ہے جو کہ دنیا میں بائیبل کو پھیلا رہی ہے۔ جو کہ شیطان کی کتاب ہے"۔

۱۵۔ گریگوری شانزدہم نے سنہ ۱۸۴۴ء میں ایک اعلان جاری کیا تھا۔ جس میں اس بات کی تاکید کی گئی تھی۔ کہ بائیبل سوسائٹی جہاں جہاں ہو۔ جبراً بند کر دی جاوے اس کے ساتھ ہی اس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ جس کے ہاتھ میں بائیبل نظر آوے اس سے چھین لو۔

امرتسری مناظر کے حق میں رامپوری فیصلہ

رامپور میں جو مباحثہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ہز ہائنس نواب صاحب رامپور کے بالمواجہ انہیں کی تحریک سے ہوا تھا اس کی کسی قدر روئیداد میرے ایک مکرم بھائی نے جو شریک جلسہ تھے بدر میں چھاپ دی۔ میں خود اس مباحثہ کی کیفیت پورے طور پر الحکم کو دکھا دونگا (انشاء اللہ العزیز) اور اس سے میری غرض ان مفید سبقوں کو پیش کرنا ہوگا جو اس مباحثہ میں ہم نے سیکھے ہیں۔

میری اس رائے سے ہمارے مخالف الرائے لوگ بھی متفق ہونگے کہ ہم نے مباحثات کو دیکھا ہے (اور تجربہ ہوگیا) ایک قسم کی مذہبی تقاربادی ظاہر کیا ہے۔ لیکن اس مباحثہ کو محض اس لئے منظور کر دیا گیا تھا کہ ایک والی ریاست نے خواہش ظاہر کی تھی جس کے متعلق قدرتاً ایسا خیال ہونا چاہیئے۔ کہ یہ لوگ آزاد خیال۔ خالی الذہن اور متعصب نہیں ہوتے لیکن جب ایک امرِ حق ان کے سامنے ثابت ہوجائے تو وہ اس کے ماننے میں شاید متامل نہ ہوں۔ یہ اور اس قسم کے خیالات ہمیں رامپور لیگئے۔ ان امور کو میں اپنے اسی موعود مضامین کے سلسلے میں تفصیل سے لکھونگا۔ اس مباحثہ کی کیفیت ایک تو وہ ہے جو ریاست رامپور کے ہمسایہ اخبار نیر اعظم نے شائع کی ہے جس کا ذکر اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے اور دوسری کیفیت وہ ہے جو خود امرتسری منکر مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲ جولائی ۱۹۰۹ء میں شائع کی ہے۔ اس کا نام مباحثہ کی کیفیت لکھنا یہ امرتسری منکر ہی کا حصہ ہے مباحثہ کے متعلق امرتسری منکر نے علماء کرام کا فیصلہ بھی شائع کردیا ہے۔ جو میں انہیں کے الفاظ میں یہاں درج کرتا ہوں

فیصلہ علماء کرام ریاست رامپور وغیرہ در بارہ مباحثہ حیات ممات حضرت مسیح علیہ السلام واقع ۱۵-۱۶-۱۹ جون ۱۹۰۹ء بمکان قلعہ معلی بموجودگی سرکار معلی القاب دام اقبالہم و ملکہم۔

یہ مباحثہ مجمع عام میں ہم لوگوں کے (جنکے دستخط اس فیصلہ پر ہیں) سامنے تواریخ مذکورہ میں ہوا۔ جماعت اہل اسلام کی طرف سے جناب مولنا مولوی ابوالوفا محمد ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری مناظر مقرر ہوئے اور جماعت قادیانی کی طرف سے مولوی محمد احسن صاحب امروہی مقرر ہوئے مگر دوسرے اور تیسرے روز جماعت قادیانی کیطرف سے منشی قاسم علی صاحب دہلوی نے تحریر پڑھی۔ ہمارے روبرو سب کارروائی ہوئی وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق جتنے دلائل قادیانی جماعت کیطرف سے پیش ہوئے۔ اسلامی مناظر نے ایک ایک کا جواب بڑی خوبی سے دیا اور واضح تقریر سے حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کردیا بلکہ جو زائد امور خارج از بحث بھی قادیانیوں کی طرف سے داخل تحریر و تقریر کئے گئے اُن کے جوابات بھی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے دیئے جزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین خیراً اس بحث سے شکستہ خاطر ہو کر قادیانیوں کو دوسرے مسئلہ ثبوت مرزا قادیانی پر باوجود قرار داد اور وعدہ موثوقہ اور پیشگوئی کرنے اسلامی مناظر کے بحث کرنے کی جرأت نہ ہوئی لہذا وہ بغیر پیش کرنے دوسرے مسئلہ کے خود بخود چلے گئے فاللہ الحمد علی ذالک صدق اللہ العلی العظیم جاء الحق و زھق الباطل ۔۔۔ ۔۔۔ ان الباطل کان زھوقا۔

یہ ہے وہ فیصلہ جس پر ۵۲ مولویوں کے نام دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے۔

"ساری تقریریں قلمبند ہوچکی ہیں حضور نواب صاحب انکو رسالہ کی صورت میں شائع کرادیں گے انہیں کے ساتھ حضور کا اپنا فیصلہ بھی طبع ہوگا"

امرتسری منکر نے اس فیصلہ کو اپنے حق میں سند قرار دیکر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر اپنی کامیابی کی دلیل میں امرتسری منکر اس رقم کو بھی درج کردیتا جو ہز ہائنس کی طرف سے اسے ملی ہے تو شاید اس فیصلہ پر روپیہ کی مہر بھی لگ جاتی۔

مگر میں امرتسری منکر کو دوستانہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ اس "پروانہ" کا جو علماء نے اسے دیا ہے نام نہ لے کیونکہ دنیا اندھی نہیں ہے اور وہ خوب جانتی ہے کہ اس فیصلہ کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ کیا یہ سب کے سب علماء وہی بزرگ نہیں ہیں جو پہلے سے سلسلہ حقہ کے مخالف اور دشمن ہیں اور جن میں سے بعض نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگا کر اچکھ لیا ہے۔ اور کتابیں بھی لکھ چکے ہیں جو لوگ پہلے سے مخالف اور معاند ہیں انکا فیصلہ امرتسری منکر ہی کے لئے موجب فخر ہو سکتا ہے ورنہ کسی دوسرے کیلئے موجب ننگ ہے۔

ثناء اللہ امرتسری کے دلائل حیاتِ مسیح میں اگر کوئی قوت اور طاقت ہوتی تو کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ ان کا ذکر نہ کرتا۔ علماء کرام ہی کا یہ توفیدہ ہے جو ایسے بزرگ ہوتے ہیں کہ کفر کے فتووں پر اندھا دھند مہریں لگا دیتے ہیں۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان ۵۲ ناموں میں سے بعض ایسے بھی ہونگے جن کے سر میں اب تک فریقین کے دلائل کا علم نہ ہوگا جو ایک مجلس میں پیش کئے گئے۔

کس قدر شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک ایسے معاملہ میں جس میں کسی نے ان کو حکم نہیں

بنایا اور نہ ان کے سامنے فریقین کی تحریریں ہیں خود بخود فیصلہ ذیدیا جاوے اور پھر فیصلہ دینے والے وہ لوگ جو پہلے سے علانیہ ایک فریق کے دشمن اور اس کے کفر کے فتوے دے چکے ہوں کیا اگر علماء کے فیصلے ایسے ہی صحیح اور درست ہیں تو امرت سری منکر کے حق میں جو الفاظ اس کے واقف حال علماء نے لکھے ہیں وہ صحیح سمجھے جاویں؟ جیسا کہ وہ خود اپنے کلام المبین میں کہتا ہے کہ انہوں نے مجھے مثلاً دجال۔ دہریہ۔ یہودی۔ نصاریٰ معتزلی جہنمی۔ گمراہ۔ متبدع۔ غیر قابل اسلام ملحد۔ زندیق۔ انبیاء شہداء اور صلحا کا دشمن۔ شیطان کا شاگرد محرف قرآن۔ مثال معتقد مرزائی۔ چکڑالوی۔ چھٹا ہوا نیچری وغیرہ کہا ہے۔

یقیناً مولوی ثناء اللہ صاحب علماء کے اس فیصلے کو اپنے حق میں صحیح قبول کرنیکے لیے طیار نہیں۔ اور انہوں نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طرح سے وہ اس عذاب الیم سے نجات پائیں جو ان فتاویٰ اور اشتہار کے ذریعہ ان کے ہی ہمعصر ہمشہر اور ہم مکتب دوستوں، عالموں نے انہیں پہنچایا ایسی حالت میں ان لوگوں کا فیصلہ جو ہمارے پہلے سے دشمن ہیں وہی ہونا چاہئے تھا جو انہوں نے اب شائع کیا۔

اور اگر مولوی ثناء اللہ صاحب فی الواقعہ براہین قاطعہ کے ذریعہ **حیاتِ مسیح** کا مسئلہ ثابت کر کے ثابت کر چکے تھے اور **وفاتِ مسیح** کے دلائل کا نقض کر چکے تھے تو کیوں انہوں نے ان دلائل کو اپنے اس اخبار میں چھاپ نہیں دیا تاکہ عام پبلک خود اندازہ کر لیتی۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مولوی **ثناء اللہ** صاحب کبھی بھی اس کو شائع نہیں کریگا۔ رامپور کے مباحثہ میں ۲۲ ارجون سے لیکر آخر مباحثہ تک اس سے اسکی تقریر کی کاپی مانگی گئی اور وہ ہر روز عذر کرتا رہا جسکے لیے خود ہزہائینس نواب صاحب **گواہ** ہیں اور وہ اس سچی شہادت کو کبھی چھپا نہیں سکتے اور نہ مولوی ثناء اللہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔

پھر جب کہ کوئی تحریر اس نے اب تک نہیں دی اور نہیں دیگا تو پھر پبلک اندھی نہیں جو یہ سمجھ لے کہ جو کچھ اہلحدیث میں لکھا ہے درست ہے۔ میں ان واقعات کو تفصیل وار لکھوں گا تو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنے بیان کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ سردست میں نے اس فیصلہ کی حقیقت کو طشت از بام کر دیا ہے جو اس نے شائع کیا ہے۔

مولوی ثناء اللہ یا اس کے معاونین اور فیصلہ کن بزرگ اگر حیاتِ مسیح کے مسئلہ کو ایسا ہی **قوی** سمجھتے ہیں اور ان کے اپنے خیال میں رامپور کے دربار شاہی میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے واضح تقریر سے **حیاتِ مسیح** کو ثابت کر دیا ہے تو پھر اس کے لیے ایک آسان طریق ہے۔ ہم **وفاتِ مسیح** پر ایک **مذاکرہ** اپنے اخبار میں شروع کر سکتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ اور اس کے معاونین اس پر لکھیں ہم اس کو اپنے اخبار میں چھاپ دینگے اور ایسا ہی وہ اہلحدیث میں بلاکم و کاست چھپتا رہے خود حقیقت کھل جائیگی مگر میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس طرح یہ لوگ نہیں کر سکتے **وفاتِ مسیح** کے مسئلہ میں خود ان کو موت آتی ہے۔

بہرحال یہ ہے وہ فیصلہ جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے شائع کیا ہے جو کسی حالت میں قابل وثوق نہیں ہو سکتا اس کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہا ہے کہ ساری **تقریریں قلمبند ہو چکی ہیں حضور نواب صاحب انکو رسالہ کی صورت میں شائع کرائینگے۔**

نواب صاحب ایک ریاست کے فرمانروا ہیں ان کے پاس روپیہ پیسہ ہے نوکر چاکر ہیں وہ بڑے آدمی ہیں مگر ان کی فرمانروائی کی حیثیت اور طاقت کو چھوڑ کر وہ ایک **مسلمان** ہیں اس لیے میں اگر انہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے خطاب کروں تو مجھے یقین کرنا چاہیے کہ وہ ایسے اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیں گے پس میں یہ عرض کرنیکی جرأت کروں گا کہ نواب صاحب کن تقریروں کو شائع کریں گے؟

کیا نواب صاحب یا کوئی اور بزرگ اس بات کا جواب دے سکتے ہیں کہ جب کہ شرائط فیصلہ شدہ میں ذکر تھا تقریریں باضابطہ قلمبند ہو کر ان پر مناظرین اور میر مجلس کے دستخط ہوئے؟ اگر نہیں ہوئے تو وہ تقریریں کس حیثیت سے قابل وثوق ہو سکتی ہیں اور کس فریق نے تقریر کے دینے میں عذر کیا؟

میں چونکہ خود تقریریں لکھنے والا تھا اور مجھے اس فن میں خدا تعالیٰ کے فضل سے عمدہ مذاق اور ملکہ ہے اس لیے میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ فریق ثانی نے جہاں تک میں نے دیکھا ہے کسی تقریر کو بعد تو کیا ادھورا بھی قلمبند نہیں کیا۔ ۱۹ر تاریخ کو جو بزرگ محمد دین میرے پہلو میں بٹھائے گئے تھے ان کی لکھی ہوئی تقریر اب بھی میرے سامنے پیش کیا جاوے وہ میر قاسم علی صاحب کی تقریر کے دسویں حصہ کو بھی ظاہر نہیں کر سکتی۔ اور اگر انہیں یہ دعوےٰ ہو تو بہتر ہے اس کا بھی موازنہ ہو جاوے۔

قطع نظر اس بات کے کہ وہ تقریریں قلمبند ہوئیں یا نہ ہوئیں جب حال میں وہ مصدقہ تقریریں ہی نہیں تو ان کی اشاعت اثر کیا رکھیگی۔ ہم بڑی خوشی کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ تقریریں شائع ہوں۔ بلکہ ہم ضرور تاً خود ان کو شائع کرینگے جو ہم نے لکھی ہیں لیکن نواب صاحب شائع کرانے سے پہلے ان کا مقابلہ کرائیں اور ان کو درست کرائیں جب تک یہ نہ ہو ایسا فعل شاید نواب صاحب کی شان کے خلاف ہوگا اور پبلک ایسی کسی تحریر یا رسالہ سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں اٹھا سکیگی۔

المختصر مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو کچھ بھی کیفیت لکھی ہے اس نے خود ہی حقیقت کو کھول دیا ہے اور اس سے بھی زیادہ میں اصلی واقعات لکھ کر کھول دوں گا انشاء اللہ العزیز امید وار بود ما بدانند۔

کلام الامام امام الکلام

(منقول از بیاض اکبر نجیب آبادی)

جس شخص کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہو اس کے ساتھ پھر معاملہ کرنا مشکل ہے۔ جب دو نیک نیت مسلمان مل کر کوئی کام کرتے ہیں سو خدا تعالیٰ برکت دیتا ہے۔ ان میں تیسرا ایک ہوتا ہے ان کو پھر نقصان نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام میں جب بعض شخص زیادہ تنگدست ہو جاتے تھے۔ تو دو شخص مل کر تجارت کا کوئی ذرا سا کام شروع کر دیتے تھے۔ اور معاً خوشحال و فارغ البال ہو جاتے تھے لیکن آجکل تو مسلمانوں کی یہ حالت ہے۔ کہ میں نے دو مسلمانوں کو مل کر ایمانداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمارے ایک عزیز نے بھی ایک دوکان نکالی تھی۔ ہم کو تو وہ کہا کرتے تھے کہ آپ ان معاملات کو کیا جانیں۔ دیکھو ہم دکھا دیں گے۔ کہ اس طرح نفع ہوا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد دوکان بند کر دی اور تیس روپیہ کا بل بنا کر ہمارے سامنے پیش کیا۔ کہ یہ آپ کے ذمہ ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیسے؟ کہا کہ فلاں حافظ صاحب نے لنگر سے لے کر کھائے ہیں اور روز ایک روپیہ کے لنگر سے کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ روپے مولوی صاحب خود ہی ادا کر دیں گے میں نے اس عزیز سے کہا۔ کہ ہمارے پچیس روپیہ تمہارے ذمہ ہیں۔ پانچ روپیہ ہم سے لیکر وہ پچیس محسوب کر لو۔ ان حافظ صاحب نے کہا کہ یہاں جاتے ہی روپیہ آپ کے پاس روانہ کر دونگا۔ وہ بھلا روپیہ تو کا ہیکو بھیجنے لگے تھے۔ میں نے دو مہینے کے بعد ایک رقعہ لکھا۔ کہ صرف پانچ روپیہ بھیج دو۔ پچیس تو ہم کو نقد دینے ہی نہ پڑے تھے۔ نہ ان کے وصول ہونے کی امید تھی۔ سال بھر کے بعد جب ہم سے تذکرہ ہوا تو فرمانے لگے کہ گو مجھکو روپیوں کا تذکرہ یاد نہیں لیکن اگر میں نے وہ ادا نہ کر دیئے ہوتے تو مانا پھر بھلا آپ کیوں تقاضا . . . نہ کرتے؟ (۶ مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز عصر)

جو احکام الٰہیہ سے انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ [illegible] کہ خدا کے احکام پر عمل درآمد کرے اور اس کے احکام پر چلنے سے دنیا کا کام نہیں چلتا حالانکہ دنیا کے بنانے والے نے وہ احکام بنائے ہیں اس لئے میرا ایمان ہے کہ وہ خدا کو حکیم نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ اس کے احکام کو لغو خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے احکام حکمت پر مبنی نہیں نعوذ

. . . . .

. . . . .

جب حضرت صاحب نے فتح اسلام لکھی۔ تو ایک مولوی عطاء اللہ ان دنوں میں یہاں آیا۔ وہ اس کتاب کو کہ وہ ابھی شائع بھی نہیں ہوئی تھی . . . اچھی طرح پڑھ کر لدھیانہ گیا۔ میں بھی وہاں تھا اور مجھ کو فتح اسلام کا مطلق علم نہ تھا۔ عطاء اللہ نے وہاں جا کر خان بہادر وغیرہ کئی آدمیوں سے کہا کہ میں نور الدین کو ابھی متغیر کئے دیتا ہوں میرے پاس آیا اور کہا۔ کہ ختم نبوت کے کیا معنی ہیں؟ میں نے مختصر طور پر جو اس زمانہ میں سمجھتا تھا۔ اس نے کہا کہ اچھا اب اگر اس زمانہ میں کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کو آپ کیا سمجھیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر وہ راستباز انسان ہے اور ہم نے اس کو راستباز مان لیا ہے۔ پھر تو ہم کو کوئی دقت ہی نہیں کیونکہ ختم نبوت کے جو معنی وہ بتائیگا۔ وہی ٹھیک ہوں گے ۔ ۔ ۔ یہ سن کر عطاء اللہ میرے پاس سے اٹھکر چلا گیا۔ اور خان بہادر سے جا کر کہا کہ مولوی تو لا علاج ہوا پڑا ہے۔ (۱۶ مئی ۱۹۰۹ء)

ایک دفعہ ایک شیعہ میرے پاس پانچ جلدوں کی ایک کتاب لایا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کی کیا قیمت ہے اس نے کہا کہ بس اس کی یہی قیمت ہے کہ آپ اس کو ایک مرتبہ جا دیکھیں۔ میں نے اس کی خاطر سے اس کتاب کا کچھ صفحہ پڑھا ہے۔ اور اس کے اوپر یہ آیت لکھدی فالذین ہاجروا و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی و قاتلوا و قتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھر اس کتاب کا اصل منشاء سوائے اس کے اور کیا تھا کہ صحابہ کرام کو خطا کار ثابت کیا جائے۔ جب میں نے یہ آیت اس پر لکھ کر وہ کتاب اس شخص کو واپس دی تو کہنے لگا۔ کہ آپ نے تو ساری کی ساری کتاب ہی کو ملیامیٹ کر دیا۔ (۱۶ مئی ۱۹۰۹ء)

ایک صوفی کے پاس ایک عورت آئی کہ میرے خاوند کو قے کا مرض ہے۔ کچھ پچتا نہیں، جو کھاتا ہے فوراً قے ہو جاتی ہے۔ اس صوفی نے یہ آیت و اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا لکھ کر اس کے سامنے رکھدی وہ سمجھ گئی اور اپنے مہر کے مال کر کھانا پکا کر خاوند کے سامنے رکھا اس نے کھایا اور پھر قے نہ ہوئی معاً آرام ہو گیا۔ (۱۶ مئی ۱۹۰۹ء)

(قاضی امیر حسین صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) انہوں نے بھی وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم کے بڑے لطیف معنے کئے ہیں یعنی یہ کہ ایسی بیوہ عورتوں سے جن کے یتیم بچوں کی پرورش نہ کر سکو نکاح نہ کرو۔ ان کے پاس ایک کاپی ہے جس میں انہوں نے بہت سی عمدہ عمدہ یادداشتیں قرآن کریم کی آیات کے متعلق لکھی ہیں ہم نے تو ایک مرتبہ ان سے کہا تھا کہ ہمکو تو وہ اپنی کاپی دکھاؤ لیکن انہوں نے خدا جانے کیوں اس کو اب تک نہیں دکھایا (قاضی صاحب یہ سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ کاپی لینے کیلئے مکان کو گئے۔ جب قاضی صاحب مجلس سے چلے گئے تو فرمایا) قاضی صاحب کو قرآن کریم کے سننے کا بڑا شوق ہے اور بالالتزام سے میرے درس میں آتے ہیں دوسرے مولوی شیر علی بھی بالالتزام آتے ہیں (پھر ہنس کر فرمایا) قاضی صاحب نکتہ چینی بھی خوب ہی کرتے ہیں۔ (۱۶ مئی ۱۹۰۹ء)

دہلی کی حالت زار

گفتن نتوانیم و نہفتن نتوانیم

(نمبر اوّل)

یوں تو ہر جگہ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر اور پراگندہ ہے اور ان میں باہم حسد و بغض اس درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ قومی کام سخت خراب ہو رہے ہیں مگر دہلی میں یہ بلا آج کل خطرناک طور پر پھیل رہی ہے۔ دنیا میں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ انکے دل میں اپنی قوم کے لئے درد اور سر میں فکر ہوتا ہے اور ایک گروہ ایسا ہوتا ہے جو خود تو کچھ کر نہیں سکتا مگر کرنے والوں پر ہمیشہ نکتہ چینی کرنا اور انہیں بدنام کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ نکتہ چینی آسان اور کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جو لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں (اگرچہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں) مگر علی العموم ان کی نکتہ چینی حسد یا ذاتی اغراض پر مبنی ہوتی ہے اس لئے وہ ایسے حیلے تلاش کرتے رہتے ہیں جس سے ان کو بدنام کیا جاوے اور جب اس کی تحقیقات کیجاوے تو اس کی تہ میں ایسے امور نکلتے ہیں جو نہایت شرمناک اور قابلِ نفرین ہوتے ہیں۔ کام کرنیوالے آدم زاد ہوتے ہیں ان سے غلطیوں کا ہونا ممکن مگر اس سے ہر وقت یہ نتیجہ نکال لینا کہ وہ بدنیتی سے ایسا کرتے ہیں بڑی بیہودگی ہے۔

کسی لمبی تمہید میں نہ جا کر میں دہلی کی موجودہ حالت زار پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ دہلی میں مرزا حیرت صاحب ایک بزرگ ہیں جنکی قلم اور زبان سے ہندوستان بھر کا کوئی لیڈر یا ریفارمر اور کوئی بڑا مسلمان بھی نہیں بچا۔ وہ اپنی دوکان اور اخبار کی رونق اسی میں پاتے ہیں کہ کسی نہ کسی گروہ کی مخالفت کرتے رہیں۔

انہوں نے جواہرات کی ایک کمپنی بنائی ہے جسکے خلاف کئی مقدمات آج کل عدالت میں دائر ہیں۔ جن میں سے بعض میں مرزا حیرت پر فرد قرار داد جرم لگ چکا ہے باوجود ان باتوں کے مرزا حیرت کے اخبار کا بہت بڑا جزو دہلی کے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور ان پر بہتان اڑانے میں ضائع کیا جاتا ہے میں جانتا ہوں کہ میری اس تحریر کا نتیجہ ہوگا کہ کچھ گالیاں میرے حصہ میں بھی آجائینگی مگر میں اس امر کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ گالیاں یا کوئی اور امر مجھے حق کہنے سے کبھی نہیں روک سکا۔ مرزا حیرت نے ترجمہ قرآن کے وقت جب ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے جھگڑا لگا رکھا تھا اس وقت الحکم نے اپنی بے لاگ رائے دیتے ہوئے ڈپٹی صاحب کی پرواہ نہیں کی۔ انجمن حمایت اسلام لاہور اور اس کے مخالفین کے جھگڑے کے وقت باوجودیکہ ان میں بڑے بڑے آدمی تھے الحکم اپنی سچی رائے ظاہر کرنے سے نہیں رکا۔ انجمن مہاجرین لاہور کے متعلق مستشار العلماء کی غلطی کے اظہار میں اس نے پرواہ نہیں کی۔ اور یہی وجہ ہے اب بھی وہ نہ مرزا حیرت کی مخالفانہ تحریروں کا لحاظ کریگا اور نہ اس پارٹی کی بے جا جنبہ داری کریگا جس کے خلاف مرزا صاحب لکھ رہے ہیں۔ وہ اپنے فہم اور فراست علم اور واقفیت کی بنا پر نیک نیتی سے ایک رائے دیگا۔ جس میں وہ مسلمانان دہلی کو گمراہ ہونے سے بچانے کی کوشش کرنی چاہتا ہے۔ دہلی کے ساتھ جو ہمارا تعلق ہے وہ تنہا یہی ہے کہ اس شہر سے سب سے پہلے ہمارے سید و مولا اور آقا امام اور ہم برگزیدہ کا جھنڈا [illegible] اس وقت نہ مرزا حیرت کو اور نہ ان لوگوں کو جو آج دہلی کا جسم [illegible] خیال تھا کہ ایک مسلمان کو کافر بنانے میں جلدی نہ کرنی [illegible] باوجود اس کے ہمیں دہلی سے محبت ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ دہلی تو ایک طرف کسی جگہ کے مسلمانوں کی حالت بھی بگڑے اور ان میں تفرقہ پیدا ہو۔

اے دل تو نیز خاطر اینان نگاہ دار

[illegible]

مسلمانانِ دہلی مجبوری کی حالت میں ہیں اور یہ بات کہ سنت اللہ ہے اور ان میں چند نفوس ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کی دنیوی حالت کی اصلاح اور گورنمنٹ کے ساتھ ان کے تعلقات کے وفادارانہ قیام کام میں لگے رہتے ہیں اور ۱۸۵۷ء کے غدر کے اور اس کے بعد کے واقعات دہلی جیسے شہر میں اسی ضرورت کو بہت اہم بناتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ایسے لوگوں کی خدمات کی قدر کیجاوے اور مسلمانوں میں احسان شناسی کا شعور پیدا کیا جاوے کوشش یہ جاری ہے کہ ان کو بدنام کیا جاوے۔ میں نے کرزن گزٹ کے وہ تمام مضامین پڑھے ہیں جو روساء دہلی کے خلاف لکھے گئے ہیں اور ان میں ایک ہی بات کو بار بار دوہرایا جاتا ہے کہ انہوں نے شہر دہلی کے **اوقاف** پر قبضہ رکھا ہے۔ اور اس جماعت کا ایک ایک ممبر آٹھ آٹھ دس دس اوقاف کا ممبر ہے۔

سب سے بڑا اعتراض یہ ہے جو کیا جاتا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اعتراض کیا حقیقت رکھتا ہے۔ آنریبل خان بہادر محمد شفیع صاحب کے جدید اعزاز پر مبارکباد دیتے ہوئے معزز ہمعصر زمیندار نے ان کے عہدے اور کام بتائے تھے اور وہ ایک درجن کے قریب تھے۔ اب ایک شخص اگر مستعدی سے کام کرتا ہے اور مختلف قومی امور میں حصہ لیتا ہے تو اس سے اسکے قومی امور میں دلچسپی اور مذاق ثابت ہوتا ہے یا کچھ اور۔ یہ امر ایسے معاملات میں غور طلب نہیں ہوتا کہ ایک شخص دس یا بارہ اوقاف کا ممبر ہے بلکہ قابلِ غور یہ امر ہے کہ آیا وہ شخص اپنی دیانت داری اور نیک نیتی کے لئے مشہور ہے یا نہیں اور کبھی کسی قسم کی بددیانتی کے جرم میں وہ ماخوذ تو نہیں ہوا اور اس کی ذاتی

وجاہت ... اور الی حالت ... ہیں جو اس ... اعتماد کیا جا سکے کہ وہ قوم ... میں ناخوش ... اور پھر یہ کہ کوئی شخص کیسے نہیں ... سکتا ہے ان پر وثوق اور اعتماد ... نہیں؟ اور بالآخر یہ کہ خود مسلمان بھی ان ... کرتے ہیں! دیکھنے کے قابل تو یہ امور ہیں ... ہے کہ مرزا صاحب ان کا تو ذکر بھی نہیں کرتے ... رہے ہیں کہ وہ مختلف رقابت کے ممبر ... کیا مرزا صاحب یہ چاہتے ہیں کہ دہلی کے اوقاف کی آمدنی بھی ان کے سپرد کی جاوے تاکہ وہ اسلامیہ چاپنگ کمپنی کی حصوں کی خرید میں لگا دیں؟ ... میں ان کی ساری تحریروں سے یہ نتیجہ نکال ... ہوں کہ ان کو حافظ قوق الملک - خان بہادر محمد حسن خان صاحب - نواب فیض احمد خان صاحب - مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد اور مولوی عبد الاحد مالک مطبع مجتبائی کے ساتھ خاص طور پر کد ہے اس کی وجہ مجھے قادیان بیٹھے ہوئے آسانی کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکتی - لیکن جو وجہ مولوی عبد الاحد صاحب سے رنجش کی مرزا حیرت نے مجھے زبانی بتائی ہے وہ آئندہ میں اس سلسلہ مضامین میں ظاہر کروں گا اور اس پر تنقید بھی کروں گا - اور اس ضمن میں وہ مکالمہ بھی درج کروں گا جو مرزا حیرت صاحب سے دہلی کے معاملات کے متعلق ہوا - بہر حال پانچ بزرگ ہیں جن کے خلاف مختلف پیرایوں میں مضحکہ خیز مضامین لکھے جاتے ہیں میں نے بہت کوشش کی کہ ان مضامین میں کوئی کام کی بات نکلے مگر افسوس ہے میرا فکر قاصر رہا -

یہ سچ ہے کہ یہ بزرگ دہلی کے اوقاف کے ممبر ہیں - اور جہاں تک میرا خیال ہے اور بھی بہت سے لوگ ان اوقاف کے ممبر ہیں مگر دوسرے دلچسپی نہیں لیتے اور یہ دلچسپی سے ایک کام کرتے ہیں - ان کا اتنا ہی قصور ہے دوسرے ممبروں

... کے متعلق مرزا حیرت صاحب خود لکھتے ہیں - "... بد نصیب ممبر بننے کے بعد اس کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے اور اس کی ہر بات کو شکست ملتی ہے تو پھر وہ شرمندہ ہو کے جلسوں میں آنا چھوڑ دیتا ہے مثال کے طور پر ہم خان بہادر محمد اکرام اللہ خان صاحب شہزادہ مرزا ثریا جاہ بہادر ڈپٹی عبد الحامد خان صاحب کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے سالہا سال سے اس جماعت کے مقابلہ میں ہار فتح پوری کے جلسوں میں شریک ہونا بند کر دیا ہے" -

یہ اقتباس جو میں نے ۳ جون کے کرزن گزٹ سے لیا ہے دہلی کی حالت زار کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے - اور مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ مرزا حیرت صاحب کے طفیل عام مسلمان پبلک کو وہ دہلی کی ہو یا باہر کی یہ رائے قائم کرنے میں برسرِ حق سمجھنا چاہئے کہ دراصل ان تنازعوں کی وجہ ان ممبروں کی عدم شمولیت ہی ہو -

میں سر دست باور کرنے کے لئے طیار نہیں مگر اس اقتباس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ان بڑے لوگوں کی کوئی رائے یا تجویز دوسرے ممبروں کے بالمقابل چل نہیں سکی اور وہ شرمندہ ہو کر اب سالہا سال سے جلسوں میں تو جاتے نہیں اس لئے یہ کارروائی شروع ہو گئی کہ باقیوں کو بدنام کیا جاوے - اس معاملہ میں ان بزرگوں کی پوزیشن بہت نازک ہے اور **شہزادہ** صاحب اور خان بہادر محمد اکرام اللہ خان صاحب اور ڈپٹی عبد الحامد خان صاحب کو اپنی پوزیشن عام طور پر اس معاملہ میں صاف کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مرزا حیرت صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایک قسم کا رنج ہے اور کیا عجب اس رنج کے اظہار کا یہ طریق اختیار کیا گیا - یہ معاملہ تو بزرگان موصوف کی ذات سے وابستہ ہے وہ خود اس کو صاف کرینگے

لیکن جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی رائے کی ... تھی ... ہی نہ ہوا اور اگر خلاف ہو تو قومی کاموں میں حصہ لینا چھوڑ دیں کیا ضرورت ہے کہ وہ قومی کام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیدئے جاویں؟ مرزا حیرت یا ان کے رفیق سوچ کر جواب دیں - اگر محض اخلاص اور للہیت سے کام کیا جاتا ہے تو ایک رائے نہیں ہزار رائے کی بھی مخالفت ہو ہم کو اپنے کام سے الگ نہیں ہونا چاہئے - ان بزرگوں کا فرض تھا کہ وہ بدستور اس کام میں حصہ لیتے اور اپنی مفید راؤں کے پیش کرنے میں تامل نہ کرتے اور اس بات کی پرواہ نہ کرتے کہ کوئی انہیں مانتا ہے یا نہیں؟ نہ ماننے والے اگر محض ضد یا کسی ذاتی غرض سے انہیں رد کرتے تو وہ اللہ تعالےٰ کے وبال کے نیچے تھے لیکن اگر انہوں نے خدا ہی کے لئے انہیں رد کیا تھا تو وہ بھی بری الذمہ تھے **اخلاص** سے کام کرنے والے کے لئے تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ اسے کوئی مانتا ہے یا نہیں؟ کیا مرزا حیرت صاحب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں **اوقاف** کو دینا چاہتے ہیں جن کو اپنی رائے کے ماننے پر اتنا اصرار ہو کہ اگر نہ مانی جاوے تو وہ اجلاس میں آنا چھوڑ دیں دنیا میں کوئی دانشمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اپنی رائے کی ذرا بھی مخالفت نہ سننے والے بھی کوئی قومی کام کر سکتے ہیں؟ میں نہیں یقین کرتا کہ مندرجہ بالا بزرگوں کی یہ حالت ہو لیکن اگر یہ سچ ہے تو نہایت قابل افسوس ہے اور وہ پرنس ثریا جاہ صاحب نہیں کوئی ہوں قومی درد اپنے پہلو میں نہیں رکھتے -

اس کے ساتھ ہی مرزا حیرت صاحب کو یہ ناگوار معلوم ہوا ہے کہ کیوں ان لوگوں کو الگ نہیں کیا جاتا؟

اگر میری رائے پوچھی ہے کہ جو لوگ دلچسپی نہیں لیتے اور اپنی رائے کی پرستش چاہتے ہیں

قومی معاملات میں دخیل ہونیکے مستحق نہیں مگر میں ان لوگوں کی دانشمندی کی تعریف کرتا ہوں جنہوں نے اب تک انہیں نہیں نکالا۔ اس سے کم از کم اس معاملہ میں انکی نیک نیتی کا پتہ لگتا ہے۔

اگر وہ لوگ خود ہی متصرف اور قابض رہنا چاہتے تو وہ کیوں ان کو نکال نہ دیتے۔ کیونکہ جس حال میں وہ لوگ ممبر ہیں ان کو کسی اجلاس میں آنے سے تو روکا نہیں جا سکتا؟ اور وہ حالات سے بھی واقف ہو سکتے ہیں جو شخص بدنیت ہو وہ تو چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کو جو اس کے مخالف ہیں اپنے حالات اور کاموں سے واقفیت ہی نہ ہونے دے لیکن اگر وہ ان کو واقفیت اطلاع اور رائے زنی کا موقعہ دیتا ہے تو اس سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس کی نیت **نیک** ہے۔

علاوہ بریں اب تو مرزا حیرت صاحب صرف اسی بات پر شور مچا رہے ہیں کہ ان کے چند دوستوں کی رائے کی مخالفت ہوئی۔ پھر اگر انہیں نکال دیا جاتا تو وہ شاید آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ دیکھو ان لوگوں نے اتنے بڑے قابل آدمیوں کو باہر نکال دیا۔

اس وقت پبلک کو اکسانے اور برانگیختہ کرنے کے لئے مرزا صاحب کو شاید اچھا موقعہ مل جاتا اور وہ شاید یہی چاہتے ہوں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پرنس ریحاہ بہادر اور ان کے رفقا کو توجہ دلاتے کہ وہ کیوں اجلاسوں میں شامل نہیں ہوتے اور کیوں انہوں نے ایسی کمزوری ظاہر کی کہ ذراسی اختلاف رائے سے **گھر بیٹھ** رہے کیا مرزا حیرت یہ چاہتے ہیں کہ اس **تثلیث مقدس** کی ہی بات مانی جاوے؟ اور کل سیاہ و سفید کا مالک ان کو بنا دیا جاوے؟ وہ یقیناً ایسا نہیں سمجھتے ہوں گے یا کم از کم انہیں نہیں سمجھنا چاہئے پھر قومی خدمت سے فروگذاشت تو ان لوگوں سے ہوئی ہے نہ کام کرنے والوں سے۔

یہ ہے مرزا حیرت کی اس **دلیل** کی حقیقت جو ان کے مضمون کا گل سر سبد ہے میں آئندہ ان شاء اللہ بالتفصیل دہلی کے ان معاملات پر لکھوں گا۔ اور دہلی کی پبلک کو جو ان معاملات میں گمراہ کرنیکی کوشش کیجاتی ہے اور باہر کے مسلمانوں کو جو مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے اس سے بچانے کی سعی کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اگرچہ الحکم ایک مذہبی پرچہ ہے مگر **موضوع اسلام اور مسلمان** ہے اس کے جس پہلو اور حیثیت سے وہ اسلام کی خدمت یا مسلمانوں کی خدمت کی ضرورت سمجھتا ہے اسے اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اسی بنا پر **دہلی** کے معاملات میں ایسے دخل دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر اس موقع پر دہلی کے مسلمانوں کو آگاہ اور خبردار نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ انہیں نقصان پہنچے۔

اس لئے جب تک ضرورت ہوگی اس پر متعدد مضامین شائع کئے جاینگے ان شاء اللہ العزیز۔

اور اس خیال سے کہ دہلی میں ان کی عام اشاعت ہو یہ مضامین بطریق ضمیمہ الحکم شائع ہونگے

دارالامان کی خبریں

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ اپنے پاک انفاس سے ہماری بھلائی کے لئے دن رات کوشاں ہیں آپ قوم میں **وحدۃ محبت** ایک دوسرے کیلئے سچی **ہمدردی** اور **غمخواری** کی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسی امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہے اٹھتے **بیٹھتے چلتے پھرتے خلوت** میں **جلوت** میں آپکے مدنظر یہ مقصد ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں بامراد کرے اور ہم وہ روح پیدا ہو جو ہمارا موجودہ امام ہم میں پیدا ہوتی ہوئی دیکھنی چاہتا ہے ہماری کرتوتیں اس کی راہ میں روک نہ ہوں۔ اور اس کی کامیابیوں میں ہم سد راہ نہ ہوں بلکہ اس کے حقیقی معاون ثابت ہوں (آمین)

۲۔ حضرت مسیح موعود علیٰ اللہ مقامہ کے اہل بیت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خوش و خرم ہیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کشمیر تشریف لے گئے ہیں۔

مولوی سرور شاہ صاحب کو صاحبزادگان ممدوح کے ساتھ بھیجا گیا ہے نیکی اور بھلائی کے فرشتے ہر جگہ انکی حفاظت اور نصرت کریں اور ان کا یہ سفر بہت سی دینی خوبیوں اور بھلائیوں کا موجب ہو (آمین)

۳۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے ۱۵ جولائی کے قریب بھی تعطیلات کی تقریب پر بند کرنے کا سوال مجلس ناظم کے سامنے ہے۔ بورڈنگ ہوس کی عمارت کے لئے اینٹیں طیار ہو چکی ہیں۔ اور حبشہ کا کام بند ہے مقبرہ بہشتی کی قبروں کے چبوترے درست ہو رہے ہیں۔ مدد انجمن کے **فنڈ** قوم کی خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

خالصہ قوم میں تبلیغ

حال ہی میں سادھو سنگت نے آٹھ مختلف ٹریکٹ گورمکھی میں لکھے ہیں اور ارادہ ہے کہ اس کو کثرت سے سکھ پبلک میں تقسیم کیا جائے اور اس کے ذریعہ بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملاپ کیا جائے۔ مگر اس کے لئے پیسے (چندے) کی ضرورت ہے۔ آپ پر روشن ہوگا کہ سکھ صاحبان جو دراصل ہمارے بھائی ہندوؤں سے تھے مگر باعث چند اغواؤں اور غلط فہمیوں کے دائرہ اسلام سے دور جا پڑے ہیں اور یہ ہمارا فرض اولے بلکہ پرم دھرم ہے کہ ان بچھڑے ہوئے بھائیوں کو گلے لگایا جائے اور ان کے ملاپ کے لئے گورمکھی بھاشا میں تبلیغ ضروری ہے جس سے اس قوم کا ہر کوئی کماحقہ مستفیض ہو سکے۔ اور اس کے لئے ہمیں اپنے بھائیوں کی سہائتا (مدد) کی ضرورت ہے۔ چونکہ سادھو سنگت کے سرپرست اور آمین میرے پرم پتا حضرت خلیفۃ المسیح ہیں اس لئے سادھو سنگت کا تمام چندہ براہ راست حضرت خلیفۃ المسیح کے نام آنا چاہئے۔

قوم کا خادم
محمد یوسف کمار

در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت

خریداران و سرپرستانِ الحکم اگر چاہتے ہیں کہ الحکم وقت پر شائع ہو اور وہ قوم کے لیے زیادہ مفید اور موثر ہو سکے تو وہ اپنا فرض سمجھ لیں کہ اپنے ذمہ کا واجب الادا روپیہ بدون تقاضے کے بھیج دیں۔ بہت سے خریدار ایسے ہیں جن کے ذمہ سالہا سال کا بقایا ہے ان کے نام ایک اطلاعی کارڈ بھیجکر وی پی کیا جاویگا۔ کارخانہ کی بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ ایسا وی پی واپس نہ کیا جاوے اگر حساب میں کوئی امر دریافت طلب ہو تو وہ امانتاً رکھیں

میرا سفر اس کی روانگی اور واپسی

۲۴؍ جون کو الحکم میں میری طرف سے ایک درخواست دعا شائع ہوئی تھی جس میں میں نے ظاہر کیا تھا۔ کہ میں ایک سفر پر جاتا ہوں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کہ اس سفر کی تفصیل بتاتا۔ اسی درخواست کے ضمن میں چند ضروری امور کا بھی میں نے ذکر کیا تھا۔ جن کے متعلق میرا خیال ہے کہ بہت سے احباب نے ان کو نہایت محبت درد اور رقت سے پڑھا اور چونکہ طبائع اور مذاق مختلف ہیں۔ بعض کے لیے وہ پیرا خاصہ ہنسی مذاق کا مشغلہ تھا اور لطف کی بات یہ ہے۔ کہ میں خود ایسے مذاق کو اپنے کانوں سنتا تھا۔ اور مجھے تعجب ہوتا تھا کہ کیوں ایک معمولی مگر ضروری امر کو اس رنگ اور نظر سے دیکھا جاتا ہے

بہر حال میرا وہ سفر کہاں کا تھا اور کس نیت سے تھا۔ ابھی تک بجز بعض کے عوام کو اس کی اطلاع نہیں اور نہ میں اب بھی ضرورت سمجھتا ہوں جبکہ واپس آگیا ہوں اس کا ذکر کروں۔ اس سفر کی اگر مجھے توفیق ملی تو۔ اور اللہ تعالےٰ کا فضل میرا دستگیر ہوا۔ تو اپنے وقت پر ظاہر ہو جائیگا۔ لیکن اس وقت مجھے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ جس حال میں میں اس نیت اور تیاری کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ واپس کیوں آیا ہوں۔ میں اس کی وجہ بتانی چاہتا ہوں۔ الحکم کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایڈیٹر الحکم عیبِ نہفتہ زیر بغل کے اصول کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اور ہر معاملہ میں اپنی سمجھ کے موافق اپنی رائے ظاہر کر دیتا ہے۔ اور قومی اور شخصی اصلاح کا یہ پہلو اسے پسند نہیں کہ کمزوریوں کا علم ہی نہ دیا جائے بہر حال اس سفر میں اس نے سخت غلطی کھائی وہ اپنے خیال اور عزم میں ایک دینی خدمت اور سعی فی الدین کے لیے روانہ ہوا۔ اور محض اس خیال سے کہ اخلاص فی الدین اُسے نصیب ہو اس نے نہ چاہا کہ اس کے سفر کی سردست تفصیل بھی کسی کو معلوم ہو۔ مگر اس نے پہلے ہی قدم پر سخت ٹھوکر کھائی جس سفر کے لیے اس نے ارادہ کیا تھا۔ ہر چند وہ حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالےٰ کا ایک پسندیدہ اور مرغوب امر تھا۔ مگر جس طرح پر ایڈیٹر الحکم کا فرض تھا۔ کہ وہ اس سفر پر جانے سے پہلے اپنے امام سے پاک ہدایات حاصل کرتا اپنے سفر کے لیے کم از کم دو اور رفیقان سفر حضرت امام ہی کے حکم اور استصواب کے ماتحت تجویز کرتا۔ وہ صرف اپنی ہی بات سے فائدہ اٹھا کر گیا۔ حضرت امام اس غرض کے لیے سفر کو پسند کرتے ہیں۔ چل کھڑا ہوا۔ اور چونکہ یہ اصلی سفر رامپور کے مباحثہ کے بعد شروع ہونا تھا۔ اور رامپور جانے کے لیے ایڈیٹر الحکم کو حکم دیا جا چکا تھا اس لیے اس نے اپنی نادانی اور ناتجربہ کاری بلکہ کھلے الفاظ میں سخت غلطی سے ان پاک ہدایات کو حاصل نہ کیا جو اس کے لیے اور اس کے سفر کے لیے موجب برکت ہوتیں وہ ابھی رامپور ہی میں تھا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی کمال شفقت اور توجہ نے اس کو اس ابتدائی غلطی پر متنبہ کر دیا۔ اسی حالت اور صورت میں ایڈیٹر الحکم کا بہترین اور پاک فرض یہی تھا کہ وہ اس سفر کو اسی وقت موقوف کرتا۔ اور اپنے آقا کے حضور حاضر ہو جاتا۔ پس خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے اسے موقعہ دیا کہ وہ ایک ایسے پاک نفس امام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس نے دردِ دل کے ساتھ ملی ہوئی پُر شوکت آواز میں اسے آگاہ کر دیا۔ اور ٹھوکروں سے بچا لیا۔ جو ایسے سفر اور کام میں یقیناً لاحق ہوتیں جس کی ابتدا ہی غلط تھی۔ میں اس واپسی کو اپنے لیے ایک عجیب نعمت اور دوسروں کے لیے سبق یقین کرتا ہوں۔ ہمارا کوئی کام حضرت امام کے استصواب اور اجازت اور ہدایات کے بدون نہ ہو۔ اس میں ہم ان غلطیوں سے بچیں گے جو کم علمی ناتجربہ کاری اور اتباع خلیفۃ اللہ کے اسوہ کی ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ ہمارا علم ناقص ہمارا تجربہ محدود اور ہماری فطرت کمزور ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر کسی امام خلیفہ۔ مجدد۔ اور رسول کی حاجت ہی کیا تھی؟ یہ امر بتاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے فیوض اور برکات کو حاصل کرنے کے لیے

ایک مزکی انسان کے ساتھ تعلق لازمی امر ہے بدون اس کے وہ برکات جو بوحدت پر نازل ہوتی ہیں۔ نازل نہیں ہو سکتی ہیں۔ مجھ کو اپنی اس غلطی اور کمزوری کے اعتراف میں بہت بڑی خوشی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ میں نے ایک علم سیکھا ہے اور میری معرفت میں ایک ایسی ترقی ہوئی ہے جس کو سب سے بہتر میں ہی سمجھ سکتا ہوں پس میں اپنی اسی واپسی کو اس سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر یقین کرتا ہوں۔ میں بلکہ خدا تعالے کی عظیم الشان نعمت سمجھتا ہوں۔ جو میں پہلے اس سفر کو سمجھے ہوئے تھا۔ بلکہ میں بالخوف لومۃ لائم یہ کہنے کو طیار ہوں کہ اگر میں اس سفر پر جاتا ہر چند وہ اول سے انتہا تک محض دینی تھا۔ مگر میں اسے اپنے لیے اس علم کے بعد جواب خلیفۃ المسیح کی ادنے توجہ سے ملا ہے۔ ہلاکت کا موجب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس میں صواب نہ تھا۔ اخلاص ہو تو ہو۔ یہ امر یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ کوئی کام کامل طور پر نیکی کا کام نہیں ہو سکتا جب تک اس میں اخلاص اور صواب نہ ہو اخلاص تو یہ ہے کہ اس میں محض اللہ تعالے ہی کی رضا مقصود ہو۔ اور صواب یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور عمل کے مطابق ہو۔ پس اگر کسی کام میں کوئی ایک جزو بھی مفقود ہو۔ تو وہ ہرگز نیکی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ معرفت اور علم ہے جو مجھے اس سفر کے ذریعہ ملا۔ اور جو مجھے قادیان میں پھر واپس لاتا۔ تا کہ میں خدا تعالے کے فضل سے اس سفر کے لیے پھر طیاری کر سکوں۔ میرے ساتھ میرے اور دوستوں نے بھی اس سفر رامپور میں عجیب وغریب سبق حاصل کئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے ان سبقوں کو کاغذ و قلم کے حوالے کیا۔ تو قوم پر احسان کرینگے۔ اور بہتر ہو کہ کسی قابل دل و دماغ کے ذریعہ اپنے روشنی ڈال جاوے۔ لیکن اگر کسی نے اپنے قلم نہ اٹھایا۔ تو انشاء اللہ تعالے میں ہی بتاؤنگا اس سفر رامپور میں ہم نے اپنے موجودہ امام سلمہ اللہ تعالی کے کن کمالات اور عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے اور میری سمجھ میں اگر وہ واقعات صرف انہیں چند نفوس تک محدود ہے۔ جنہوں نے ان کو دیکھا ہے تو یہ ایک ایسا گناہ ہوگا جس کے لیے شاید ہمارے ہاتھ میں عذر نہ ہو مجھے اس ضمن میں ایک اور عجیب نکتہ معرفت معلوم ہوا ہے جس کو عنقریب میں شایع کرونگا (انشاء اللہ) وہ کنفیشن (اقرار ذنوب) کا مسئلہ ہے جس پر ہم نے بارہا ہنسی اڑائی ہے۔ بہر حال یہ ہے میری داستان سفر و بازگشت مبارک وہ جو ایک کی ٹھوکر سے سبق حاصل کرے۔ اور مبارک وہ جو ٹھوکر کھا کر آیندہ کے لیے ہوشیار ہو جاوے خدا کرے کہ ہم ہر طرح ہی مبارک ہوں۔ آمین۔

احمدیہ پبلک لائبریری پٹیالہ

حسب الارشاد صدر انجمن یہ لائبریری پٹیالہ ڈہاب بازار میں کھولی گئی ہے۔ ۲۵ رجون ۱۹۰۹ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ اس میں سلسلہ کے متعلق تمام کتب جمع کرنیکی کوشش کیگئی ہے۔ علاوہ ازیں قادیان کے ہفتہ وار اخبارات اور ماہواری رسالے بھی اس لائبریری میں ہمیشہ موجود رہینگے ریاست پٹیالہ کی تمام انجمنوں سے استدعا ہے۔ کہ وہ بھی اس ضلع کی لائبریری کے لیے ضرور رکھتا ہے نیز یہ انجمن اپنی جماعت کے فیاض مزاج مصنفوں سے بھی توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنی قیمتی تصنیفات سے اس لائبریری کو زیادہ مفید بنانیکی کوشش فرماوینگے اس لائبریری کو زیادہ کا انتظام مولوی شیخ عبد الصمد صاحب نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ امید ہے کہ شیخ صاحب موصوف اپنا حسن انتظام دکھاوینگے فقط۔

محمد مرتضی خان احمدی سکرٹری انجمن احمدیہ پٹیالہ

میری دعا اللہ تعالے اس لائبریری میں ایسی برکت رکھے کہ بندگان خدا کو فائدہ پہنچے آمین

شیخ محمد اسمٰعیل سرساوی عفی اللہ عنہ

رامپور کا مباحثہ اور نیر اعظم

رامپور کے مباحثہ کے متعلق اسی اخبار میں کسی دوسری جگہ ایڈیٹر الحکم کا لکھا ہوا ایک نوٹ موجود ہے۔ ایڈیٹر الحکم اس مباحثہ میں اول سے آخر تک شامل اور اس کی روئداد لکھنے والا تھا۔ نیر اعظم رامپور کے متعلق کچھ لکھنے کا عادی ہے اور ان حالات کے متعلق اس کی واقفیت کے ذریعے بہت کچھ معتبر سمجھے جانے چاہئیں۔ مگر رامپور کے مباحثہ کے متعلق جو آرٹیکل نیر اعظم نے شایع کیا ہے وہ سراسر غلط ہے اور بے بنیاد ہے اور میں اپنے مکرم دوست منشی ایس ابن علیصاحب سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس نوٹ کو پڑہ کر اپنی غلطی کو فوراً تسلیم کر لینگے میں اس جگہ مباحثہ کے نتیجہ پر بحث نہیں کرونگا۔ لیکن اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ نیر اعظم نے جو واقعات لکھے ہیں۔ وہ سراسر غلط ہیں۔ تو ان واقعات سے نکالا ہوا نتیجہ بلا شبہ غلط ہو جائیگا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ نیر اعظم میں ان غلط واقعات نے اشاعت پا کر مجھے حیرت میں ڈالدیا ہے۔ کہ رامپور جو (مراد آباد سے ایک ہی گھنٹہ کا راستہ ہے) کے واقعات بھی جب اس میں صحیح نہیں چھپ سکے تو دوسروں کے متعلق تو اور بھی احتیاط ضروری ہے۔ بہر حال وہ

غلط واقعات ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ان
غلط واقعات کا پورا علم ہو۔ وہ ان کو نیر اعظم
کے نام سے لکھتا ہوں۔

نیر اعظم – ۱۵ر کو ۲½ بجے کوٹھی حامد منزل
میں مباحثہ شروع ہوا۔ اول قادیانیوں کی
طرف سے مسٹر کمال الدین صاحب نے شروع
کی جو وہ لکھ کر لائے تھے قریب دو گھنٹے کے
وہ تقریر پڑھی گئی۔

الحکم – سراسر غلط۔ مباحثہ حامد منزل میں
نہیں ہوا۔ اور نہ خواجہ کمال الدین
صاحب نے کوئی تقریر پڑھی اور نہ دو گھنٹہ تک
پڑھی۔ خواجہ صاحب نے اول سے آخر تک
ایک بھی تقریر نہ پڑھی۔ جس شخص کی واقفیت کا
یہ حال ہے وہ نیر اعظم کا خاص رپورٹر قرار پانے
کے ضرور قابل ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو ہمیں مولوی
ثناء اللہ ہی کی شہادت پیش کر دے کہ کیا خواجہ
کمال الدین صاحب نے کوئی تقریر مباحثہ میں پڑھی!

نیر اعظم – مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی
تقریر میں بحوالہ آیات کتاب
اللہ احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اس امر
کو ثابت کر دکھایا کہ حضرت عیسے علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے بقول مرزا صاحب انتقال نہیں فرمایا۔ بلکہ زندہ
آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

الحکم – اس بیان کی تصدیق تب ہو سکتی ہے
کہ رپورٹر [illegible] وہ حدیث شائع کر دیں
جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح کے
آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق پڑھی تھی
اور پھر مولوی ثناء اللہ ہی کی تصدیق کرا دیں
مولوی ثناء اللہ صاحب نے اول سے آخر
تک ایک حدیث بھی نہیں پڑھی۔ اور وہ مسیح کے
آسمان پر زندہ جانے کی [illegible] بھی کوئی حدیث
نہیں پڑھ سکتے۔ یہ خاص رپورٹر نیر اعظم کی اپنی
ایجاد ہے۔ اگر یہ محض خود تراشیدہ بات
نہیں تو وہ حدیث لکھ دیں جو مولوی ثناء اللہ
نے پڑھی تھی۔ اس سے اس ثبوت کی
حقیقت خود ہی معلوم ہو جائے گی۔

نیر اعظم – آپ صاحبان کو میرے ہاتھ پر بیعت
کرنا چاہیے۔ اور ہاتھ مولوی کمال صاحب
کی جانب بڑھایا اس پر قادیانی بہت شرمندہ
ہوئے۔

الحکم – نواب صاحب خود جلسہ میں موجود تھے
ان کی تصدیق تو شاید خاص رپورٹر
صاحب کو مشکل ہو خود مولوی ثناء اللہ صاحب نے
ہی لکھوا دیں کہ کیا ۱۵ر جون ۱۹۱۰ء کے مباحثہ
میں کوئی واقعہ اول سے آخر تک ہوا؟ اگرچہ
مولوی ثناء اللہ صاحب کے مذہب میں جھوٹ
بول کر بھی آدمی متقی رہ سکتا ہے۔ مگر اس جھوٹ
کی نجاست سے وہ بھی پرہیز کریں گے۔ نیر اعظم
کے رپورٹر نے نہیں معلوم یہ واقعات کہاں پر بیٹھ
کر شائع کیے ہیں۔

نیر اعظم – اس کے بعد مولانا نے کمال الدین
صاحب سے فرمایا کہ میری تقریر
کے جواب جناب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بابت
کی ہے اور آیات قرآنی و احادیث سے زندہ
آسمان پر اٹھایا جانا ثابت کیا ہے تردید کر سکتے
ہیں اس پر کمال الدین صاحب نے فرمایا کہ
آج کی مہلت دو۔ کل تردید پیش کروں گا۔ چنانچہ
مہلت دی گئی۔

الحکم – زندہ باش! این کار از تو آید و
مرداں چنیں کنند۔ شاباش!

شاباش۔ میرے دلیر رپورٹر تجھے قسم ہے
جھوٹ کی اگر ایک واقعہ بھی سچا لکھ جاوے
نہ ثناء اللہ نے مطالبہ کیا نہ کسی نے مہلت
مانگی۔ کسی نے دی۔ کیا اس واقفیت پر رپورٹ
لکھنے کی جرأت کی تھی! کچھ تو شرم کرنی چاہیے
اس واقعہ تصدیق بھی کرا [illegible]
کرا دیں تو ایک سال کے لیے المحدیث معط
ل جاوے۔

نیر اعظم – ۱۶ر جون کو بعد ۲½ بجے سب
صاحبان حامد منزل میں جمع ہوئے
قادیانیوں کی جانب سے کمال الدین صاحب
نے جو سب کے کاپیر بنا کر قادیان سے بھیجے
گئے تھے ایک تحریری تقریر پڑھنا شروع
کی جس میں فلسفہ کی بحث تھی اور اصل واقعہ
سے ان کو چنداں تعلق نہیں تھا۔

الحکم – رپورٹر صاحب داستان خیال تصنیف
کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ آپ کو
فلسفہ میں بھی دستری معلوم ہوتی ہے تب
ہی تو آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب کی
فلسفیانہ تقریر کو جو خواجہ صاحب نے انہیں کہیں
سنائی ہوگی سمجھ لیا۔ ورنہ مجلس ناظرین تو خواجہ
صاحب نے نہ کوئی تقریر پڑھی اور نہ اس میں
فلسفہ تھا۔ رپورٹر صاحب کی سچائی ثابت ہو جائیگی
اگر اس پر بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کی شہادت
ثبت ہو جاوے۔ اس سے بڑھ کر آسانی
کیا ہوگی۔ خطرناک دشمن جس کی فتح کا پھریرا تم
اڑاتے ہو اسی کی تصدیق کا سوال ہے مگر وہ
بھی یقیناً اس پر تھوک دیگا۔ اس قسم کی غلط بیانیوں
سے یہ سارا اخبار پر کیا گیا ہے کہاں تک
ان کی تردید کی جاوے

یہ ہیں ہمارے مخالفین اور یہ ہے ان
کی فتح و ظفر کی کیفیت جسکو سراسر خود تراشیدہ
اور خیالی واقعات سے مزین کیا گیا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی ناپاک
اور شرمناک کوشش کیوں کی جاتی ہے
اور ان سے مخلوق الٰہی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا
ہے۔

بالآخر میں معزز ہم عصر نیر اعظم کو توجہ دلاتا
ہوں کہ اس طرح پر غلط اور سراسر غلط واقعات

کی اشاعت اس کی وقعت کو بالکل کھو دیگی۔ مین جانتا ہون کہ وہ اپنی بیماری کی وجہسے ان واقعات کی تنقید نہین کرسکتے لیکن اس طرح پر بالکل غلط واقعات کا چھپ جانا کبھی بھی ان کے لیے خوشی کا موجب نہیں ہوسکتا۔ بہتر ہے کہ وہ اپنی قریب ترین اشاعت میں ایک نوٹ کے ذریعہ اعلان کر دین۔ کہ یہ واقعات سراسر غلط ہے۔

قطع نظر اس کے کہ ایک ایڈیٹر اخبار اپنے ذاتی مذاہب یا عقیدہ کے کسی فریق کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اصلی واقعات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ مین امید کرتا ہون۔ میرے اس نیک مشورہ سے فائدہ اٹھایا جائیگا

مرادِ ما نصیحت بود کردیم

کیا سلطان روم دینی مقتدا ہے

ایک مرتبہ نہیں متعدد مرتبہ اس قسم کے سوالات اخبارات میں زیر بحث آ چکے ہیں۔ ۳۰ رجون ۱۹۰۹ء کے اخبار وکیل مین سنئے سلطان المعظم کی آئندہ سیاحت یورپ پر ایک نوٹ لکھتے ہوئے ہم عصر مذکور لکھتا ہے۔ کہ " دنیا کی سب سے بڑی مسلمان سلطنت کا فرمانروا اسلامی دنیا کے حصہ اعظم کا دینی مقتدا" سلطان المعظم کے لیے اور جس قسم کے خطابات بھی مسلمان تجویز کرین ہم کو ان کے ماننے سے کبھی انکار نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ امر کہ وہ اسلامی دنیا کا دینی مقتدا ہے کبھی بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا؟ دینی پیشوا اور مقتدا ہونے کے لیے اتنا ہی ضرور نہیں کہ ایک شخص کسی حصہ ملک کا بادشاہ ہو۔ اگر یہ درست ہو تو کیا ہم عصر وکیل ایڈورڈ ہفتم کو جو ہمارے قیصر ہند ہیں۔ اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرنے کو تیار ہے؟ اسلام کبھی بھی خوشامد اور بے محل کی تعریف کی تحریک نہیں کرتا۔ اس لیے خواہ کوئی کتنا ہی بڑا عظیم الشان سلطان بھی کیون نہ ہو۔ جب تک اس میں دو باتین جو ایک اسلامی اور دینی امام میں ہونی چاہئیں نہ ہون اسے امام نہیں کہہ سکتے

مین اس امر کو تسلیم کرتا ہون اور یہ ایک امر واقعی ہے کہ اسلام کی تائید اور نصرت کے لیے اللہ تعالےٰ ہر صدی پر ایک مامور کو مجدد کے نام سے بھیجتا ہے۔ وہی مسلمانون کا مذہبی امام اور پیشوا ہوتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو یہ حق نہیں پہونچتا۔ کہ وہ امام المسلمین کہلائے۔

اس صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ نے اپنا مامور ہم میں بھیجا اور وہ اپنا وقت پورا کرکے اپنے رفیق اعلےٰ سے جاملا۔ اب اس کا نائب ہم میں موجود ہے۔ اس کا حق اور جائز حق ہے کہ وہ مسلمانون کا دینی مقتدا کہلائے۔ اور مسلمانون کا فرض ہے کہ اسے اپنا دینی مقتدا تسلیم کرین نہ ماننا اور بات ہے اور ضد کرنا امر دیگر ہے حقیقت الامر یہ ہے۔ حقیقت کو چھوڑ کر اس سے دور جا پڑنا کوئی خوبی کی بات نہیں۔

اسی تحریر مین جو وکیل نے لکھی ہے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ سلطان اسلام کے مقدس مقامات کا محافظ ہے۔ مین اس امر کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہین۔ اور اس کی بزور تردید کرتا ہون۔ ایک مسلمان کبھی کسی شخص کی نسبت یہ اعتقاد نہین رکھہ سکتا۔ کہ وہ مسلمانون کے مقدس مقامات کا محافظ ہے۔ حرمین شریفین کی حفاظت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ مین ہے اور اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ کے لیے اس کی حفاظت کو ایک آیت اللہ قرار دیا ہے + سلطان کی حفاظت ان مقامات کے طفیل ہو رہی ہے کہ وہ ان کا خادم ہے۔ اس قسم کے خیالات مسلمانون کے دلون مین پیدا کرنے کی کوشش کرنا بالکل نامناسب اور غیر مفید ہے۔ مین اپنے معزز ہم عصر سے التماس کرتا ہون۔ کہ وہ اس معاملہ پر نظر ثانی کریگا۔ اور آئندہ سلطان کو دینی مقتدا کہنے اور محافظ حرمین قرار دینے مین غلطی نہ کہائیگا۔

بلند اجمیر - اجمیر جو علاقہ راجستان مین ایک شاندار اسلامی مرکز ہے جسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے قیام دینی آرام کی نسبت بزرگ نے غیر معمولی امتیاز بخشا اور ساری دنیائے اسلام مین لقب "شریف" کے ساتھہ مشہور کر رکھا ہے گذشتہ صدیون مین اس مقام اور درگاہ حضرت خواجہ بزرگ کا فیض دور دور جاری تھا۔ اور تاریکہ راجپوتانہ مین وہ ایک چشمہ آب حیوان مانا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ہندو راجہ مہاراجہ یہان آکر آستانہ معلیٰ پر بہین نیاز گھستے تھے اور احکام درگاہ کی تعمیل موجب سعادت جانتے تھے۔ کوہستانی علاقجات بعیدہ کے رہنے والون کو سال بھر مین ایک مرتبہ عرس کے موقع پر یہان اسلام علو روحانیت کی شان جلوہ گر نظر آتی تھی اور ہزارہا آدمی مشرف بالایمان ہوکر نجات اخروی حاصل کرتے تھے۔ مالمد غرض اجمیر پر دین اسلام کے روحانی کمالات کا آفتاب ہر وقت تابان و درخشان رہتا تھا اور اس کی شعاعین راجپوتانہ کے قلعہ جات و محلات ہی نہین۔ بلکہ جنگلون اور پہاڑون کے غارون اور کھوہون مین بھی اپنی روشنی پہنچاتی تہین۔ اور در حقیقت یہی ایک حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز کا ایک امتیاز بر کت فیض تھا جس کے شکریہ سے اسلامی ہند کی تاریخ کبھی سبکدوش نہین ہوسکتی۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہی اجمیر علم و روحانیت کی روشنی سے لوگون کے سینے منور کرنے اور گم گشتگان بادیہ ضلالت کو چراغ ہدایت دکھانے کی بجائے خود جہالت اور اس کے لازمی نتائج بد حالی و ذلت کا [illegible] اور مزار پر انوار حضرت خواجہ بزرگ رح کے روحانی فیض کو [illegible] بدعات و منہیات کی تاریکی سے متعدد بار ایسے کہ یہ کھلی باتین خوب خیال ہوتی ہین [illegible]

شُدھی کی تحریک آریوں کی نظر میں

آجکل آریوں میں شُدھی کا بازار خوب گرم ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی جلسہ شُدھی کا ہوتا رہتا ہے خصوصاً صوبجات متحدہ میں تو ایک طوفانِ شدھی بپا ہے اور اس تحریک کے ہیرو آریہ مسافر کے قائمقام پنڈت بھوجدت ہیں جو مسافر نام کے ایک اخبار کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ شدھی کے اسرار وقتاً فوقتاً الحکم کے ذریعہ نذر ناظرین کروں تاکہ ان خبروں سے جو غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں انکا انسداد ہو۔ مگر اس سے پیشتر کہ ان واقعات پر بحث کیجاوے آج میں اس سلسلہ میں شدھی کی تحریک کو آریوں کی نظر سے دکھانا چاہتا ہوں ۱۵ رجون ۱۹۰۹ء کے پرکاش میں ایڈیٹر پرکاش (جو لاہور آریہ سماج کے سکرٹری بھی ہیں) (آجکل دھرم پال کے بَنْدر اور طوفان کے طفیل غالباً مستعفے ہیں) نے ایک آرٹیکل لکھا ہے جو خصوصیت سے غور کے قابل ہے میں اس پر خود کسی قسم کے ریمارک کی حاجت نہیں سمجھتا۔ اس کے پڑھنے سے شدھی کی اگلی پچھلی ساری کیفیت طشت ازبام ہو جاتی ہے۔

امید ہے کہ ناظرین اسکو دلچسپی سے پڑھینگے۔

اس مضمون کے اس حصہ کو جو انہوں نے سوامی دیانند صاحب کی عظمت اور تعریف میں لکھا ہے چھوڑ کر نفس شدھی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ قابلِ غور ہے۔

پچھلے دنوں سے ہمعصر مسافر ایک انگریز کی "شدھی" کو مشتہر کر رہا ہے۔ اور یہ "شدھی" ہوگی بھی بڑے

ڈھول ڈھمکے

کے ساتھ "اسی شدھی" کی خبر کو پڑھکر ہمیں یہ چند سطریں اپنے ناظرین کے گوش گذار کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

غرضیکہ اس مہاں پرش نے جو دھکا دیا تھا۔ وہ اپنا کام کر گیا۔ اس کا دائرہ اثر دن بدن وسیع ہو رہا ہے۔ اور آج "شدھی" تحریک کی ہستی اور اس کی طاقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ رو چل پڑا ہے۔ اور اس کو کوئی دنیاوی طاقت روک نہیں سکتی۔ یہ ایک مبارک رو ہے اور ہر ایک آریہ پرش کا کرتویہ ہے۔ کہ اس میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن ہم یہاں پر اپنے آریہ بھائیوں کو ایک خطرے کے خلاف خبردار بھی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ایک تیز رو اگر فائدہ بہت پہنچا سکتا ہے۔ تو خرابی بھی اتنی ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ دیکھنا ہے۔ کہ یہ رو کہیں غلط راستہ پر نہ چلا جاوے۔ ہمعصر مسافر کتنی مدتوں سے ایک انگریز کی "شدھی" کو بڑے ڈھول ڈھمکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کام کیلئے دہلی کا استھان تجویز ہوا ہے۔ اور دن بھی بادشاہ سلامت کا جنم دن مقرر ہوا ہے۔ ہمارے ہمعصر نے اس وقت تک ہمیں نہیں بتلایا کہ یہ انگریز کون ہے۔ اس کی لیاقت اور حیثیت کیا ہے اس کو ویدک دھرم کا خیال کیسے ہوا۔ اس وقت تک یہ کس کس آرش گرنتھ کا مطالعہ کر چکا ہے۔ غرضیکہ ہم اپنے اس نئے بھائی کے متعلق بالکل اندھیرے میں ہیں۔ ہم اس انگریز کے خلاف کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے کچھ نہیں لکھنا چاہتے لیکن اپنے ہمعصر کی توجہ اس امر کی طرف ضرور دلانا چاہتے ہیں۔ کہ مختلف سوسائٹیاں مختلف طور پر انگریزوں کی زخم خوردہ ہیں جنہوں نے پہلے اپنے تئیں ان دھرموں کا پیرو بتلایا لیکن بعد ازاں انکی جڑوں پر ہی کلہاڑا رکھا۔ ہمارا ہمعصر سوچ لے۔ کہ اگر آریہ سماج کو اس "شدھی" کا فخر ہے۔ اور وہ اس کا فائدہ اٹھانے کے لئے ایک بھاری جلسہ رچتا ہے۔ تو کل کو اس کے لئے اس کو شرمساری بھی اتنی ہی اُٹھانی پڑیگی۔ اگر وہ انگریز کسی حیثیت کا نہ نکلا۔ یا وہ ویدک دھرم پر قائم نہ رہا۔ ہم اس امر کو یہاں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ ہمیں اس انگریز مہاشہ کے متعلق مطلقاً کوئی علم نہیں۔ اس لئے ہم اس کے خلاف لکھنا حماقت میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور اس وقت ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ کسی شخصیت کے خلاف نہیں بلکہ ایک اصول کی بنا پر۔

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ جہاں "شدھی" کے راستہ میں جو رکاوٹ آوے اُس کو دور کرنا چاہئے۔ وہاں اگر کوئی شخص اس کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے۔ تو اس کو روکنا بھی ہمارا دھرم ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں۔ کہ اس وقت ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو اس تحریک کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے شدھی کو

تجارت کے طور پر

استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مہاشہ دھرمپال کو آریہ سماج میں آنے سے جو مالی فائدہ ہوا ہے۔ اُسکو دیکھکر کئی شخصوں کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ کوئی بھائی یہ نہ سمجھے کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں محض شنید پر لکھ رہے ہیں نہیں بلکہ ہمارا یہ خیال ذاتی تجربہ کی بنا پر ہے۔ دو سال کا عرصہ ہوا ہوگا جبکہ ایک مسلمان نوجوان ہمارے پاس آیا اور اُس نے اسلام سے دلی نفرت کا اظہار کیا اور ویدک دھرم پر وشواش پرگٹ کیا۔ اُس نے بیان کہ وہ بہت عرصہ سے اسلامی رسم و رواج کو خیر باد کہہ چکا ہے۔ اور اب کھلم کھلا ویدک دھرم میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے بتلایا کہ وہ ایک لیاقت اور باحیثیت مسلمان کا

دیا ہے۔ اس لئے اگر ویدک دھرم میں پرویش
کے بعد اس کی حفاظت کا کوئی خاص انتظام
نہ کیا گیا۔ تو اس کو جان سے جانے کا اندیشہ ہے
چنانچہ ہم اس کو لاہور کے آریہ سماج کے منتری آریہ
بھائی ... کے پاس لے گئے سب
حال ان سے عرض کیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ
وہ حفاظت کا کافی انتظام کر دیں گے۔ وہ نوجوان
تین دن تک ہمارے پاس رہا۔ اس کے اچار
وچار کھان پان میں کوئی بات مسلمانوں کی سی
نہ تھی۔ خیال یہ تھا۔ کہ یہ شخص جو پرویش آریہ
سماج میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے گذارے
کا انتظام کیا ہوگا۔ دورانِ گفتگو میں ہم نے اس
سے دریافت کیا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ
آریہ سماج میں آنے کے بعد تمہارے گذارے کا
کیا انتظام ہوگا۔ اس نے جو جواب دیا وہ
ناظرین کی توجہ کا محتاج ہے:۔

"میں دھرم پال سے تو فارسی عربی زیادہ
جانتا ہوں اگر وہ کتابیں لکھ کر اور رسالہ نکال کر
اپنا گذارہ چلا سکتا ہے۔ تو کیا میں اخبار نکال کر
اپنے گذارہ کیلئے نہ کما لوں گا"!

خیر ہم نے اس کو سمجھایا۔ کہ ہو سکتا ہے کہ جو گُن
مہاشہ دھرم پال میں ہوں۔ وہ آپ میں نہ ہوں۔ اس لئے
آپ کو آریہ سماج میں پرویش کرنے سے پہلے اپنے
گذارہ کا انتظام کر لینا چاہئے۔ تین دن تک وہ نوجوان
ہمارے پاس رہا۔ چوتھی صبح کو سیر کے لئے گیا۔ اور
اس وقت تک واپس نہیں آیا۔ شام کے وقت جب
ہم نے اپنے کیش بکس کو دیکھا۔ تو اس میں اکتیس ۳۱
روپیہ نہ پائے۔ ہم نے اکتیس ۳۱ روپیہ دیکر ایشور
کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ ہمیں بیش قیمتی سبق مل گیا۔

اسی طرح ایک اور مسلمان کی درخواست
ہمارے پاس پہنچی۔ وہ بھی ویدک دھرم پر فدا تھا۔
لیکن جب اس کو بتلایا گیا۔ کہ آریہ سماج تمہارے
روزگار کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ تو اس کے
بعد اس نے کوئی خط نہیں لکھا۔ ایک اور
مسلمان آئے اور وہ ستیارتھ پرکاش لے گئے۔
پھر ان کے درشن نہیں ہوئے۔ اسی طرح
جب لائل پور کے شیخ ... محمد عمر آریہ سماج
میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے اپنی خدمتی
کا فائدہ اٹھانے کیلئے "آوید" نامی ایک اخبار
نکال دیا کچھ عرصہ کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ اور
ان کے ساتھ آوید بھی است ہو گیا۔

جہاں ایک طرف لوگ اس تحریک کو
تجارت کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں
دوسری طرف بعض لوگوں کی یہ کوشش ہے
کہ آریہ سماج کے ذریعے اپنے

اپوتر سمبندھ کو پوتر

بنالیں۔

آریہ سماج لاہور کے منتری کی حیثیت سے ہمارے
پاس کئی درخواستیں آئیں۔ جن میں ایک ہندو
کسی مسلمان عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر مسلمان
ہو چکا تھا۔ اور اپنی شہوت کی سیری کے بعد پھر
اپنی پرانی برادری میں آنا چاہتا تھا۔ یا کوئی مسلمان
عورت کسی ہندو شخص کے لئے ہندو بننا چاہتی
تھی۔ ابھی حال ہی کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ جو
اس نکتہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مس ناربٹر
ٹامس کو لکھنؤ آریہ سماج نے "شدھ" کیا۔ بتلایا
گیا۔ کہ سیتا کے کیرکٹر نے مس ٹامس کے دل پر
اثر کیا اور وہ ویدک دھرم میں آتی ہے۔
اخباروں میں خبر چھپی۔ اخباروں نے اس پر
حاشیے چڑھائے۔ اور بہت خوشی کا اظہار کیا۔
لیکن اصل بات کیا تھی۔ بہار کے ایک جاگیردار
راجہ ٹکاری ایک یورپین فیشن کے دلدادہ رئیس
ہیں۔ سر سے لیکر پاؤں تک یورپین لباس
میں بس رہتے ہیں۔ انہیں خواہش پیدا ہوئی
کہ کسی طرح کوئی یورپین بیوی حاصل کیجائے
اتنی جرأت نہ تھی کہ یورپین بیوی کو گھر میں
رکھ لیویں۔ آریہ سماج لکھنؤ کو پندرہ سو روپیہ
رشوت دیکر آشیرباد لے لی۔

ہم حیران ہیں۔ کہ آریہ سماج لکھنؤ نے ان کے
وواہ میں کس طرح حصہ لیا جب کہ اس کے
عہدیدار جانتے تھے۔ کہ راجہ ٹکاری کی ایک
استری پہلے موجود ہے اور اس کو چھوڑ کر وہ
یورپین بیوی کرنے لگے ہیں کیا آریہ سماج لکھنؤ
نے پندرہ سو روپے کی خاطر اس اویدک وواہ
کے موقعہ پر وید منتر پڑھ کر ان کا نرادر نہیں کیا؟

دوسرے۔ چند دن ہوئے ہمارے پاس
"ایک رئیس" کی درخواست پہنچی کہ ان کے بچہ
کی مسلمان دایہ ہندو بننا چاہتی ہے۔ آپ اس
کو شدھ کر دیجئے۔ ہم نے جواب میں لکھا۔ کہ جب
آپکے شہر میں آریہ سماج موجود ہے تو آپ
اس کے منتری کو کیوں نہیں لکھتے۔ نہیں بھی
تو لوکل سماج کے منتری سے حالات دریافت
کرنے پڑینگے۔ اس خط کا کوئی جواب نہ آیا جب
ہم نے وہاں جا کر تحقیقات کی۔ تو جو شک ہمیں
تھا اس کی تائید ہوئی۔

غرضیکہ کہاں تک لکھا جاوے اس قسم کے
کئی واقعات ہیں جن کی بنا پر ثابت کیا جا سکتا
ہے۔ کہ لوگ آریہ سماج کی تحریک "شدھی"
کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اب سوال
یہ ہے۔ کہ اس وقت آریہ پرشوں کا کرتویہ
ہے کیا وہ چپ چاپ بیٹھے ہوئے اس تحریک
کا ناجائز استعمال ہونے دینگے۔ یا کوئی ایسا
طریقہ کام میں لائینگے جس سے جہاں مستحق
شخصوں کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ
رہے۔ وہاں غیر مستحق شخص آریہ سماج کو بدنام
نہ کر سکیں۔ ہمارے آریہ بھائی ہمیشہ
کوشش کریں۔ ہم کہنے سے رک نہیں سکتے۔
کہ ہم نے اس تحریک کو بہت گرا دیا ہے جب
ہم نے سچے دل سے ویدک دھرم میں دخل

ہوئے۔ مسلمان اور عیسائی اصحاب کے راستہ
میں رکاوٹ ڈال رکھی ہے وہاں "پتت"
لوگوں کے لئے ہم نے "شدھی" کا دروازہ کھول
رکھا ہے۔ اس فراخ دلی کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ جہاں
"شدھی" کا محکمہ بھی اشتہاری حکیموں کے آتشک
اور سوزاک کے نسخوں کی طرح بن رہا ہے جہاں
ان اشتہاروں کے حوصلہ پر لوگ بیمار ہیں
زیادہ ہو گئے ہیں۔ وہاں ہمارے "شدھی" کے
محکمہ کے سہارے پر لوگ ناجائز تعلقات
پیدا کرنے میں کوئی سنکوچ نہیں کرتے۔ کیونکہ
وہ جانتے ہیں کہ آریہ سماج میں درخواست
دیکر وہ "شدھ" ہو سکتے ہیں پس ضرورت
ہے۔ اس امر کی کہ جہاں ویدک دھرم کو
گرہن کرنے والے مسلمان اور عیسائی اصحاب
کو پتت سمجھ کر ان کی ہتک نہ کی جاوے
وہاں واقعی پتت لوگوں کے لئے کوئی

پرائشچت

مقرر کیا جاوے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جاوے
کہ انہیں بدمعاشی ویسی سستی نہیں پڑے گی۔
جیسا ان کا خیال تھا۔ لیکن جہاں ہم یہ چاہتے
ہیں۔ کہ ان مسلمان اور عیسائی اصحاب کے
لئے جو سچے دل سے ویدک دھرم کو گرہن
کرتے ہیں کوئی سر منڈوانے کی خاص رسم لازمی
نہ ہو۔ وہاں ہم نمائش کے سخت برخلاف ہیں
جب مہاشہ دھرمپال کے آریہ سماج میں پرویش کرتے
وقت تو اس نمائش کی کوئی وجہ ہو بھی سکتی
تھی لیکن آج اس نمائش کی کیا ضرورت
ہے۔ سوائے اس کے کہ آریہ سماج میں داخل
ہونے والے کے سر میں ہوا بھری جاوے۔ کہ
اس کی ذات سے آریہ سماج کو فخر ہے یاد
رہے کہ آج چھ برس کے بعد یہ نہیں کہا جا
سکتا۔ کہ آریہ سماج نے مہاشہ دھرمپال کو
جذب کر لیا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ بابو
چھ سال تک یہ نمائش جاری رکھی گئی۔ کیا
پنڈت بھوجدت جی یہ چاہتے ہیں۔ کہ جس
انگریز کو وہ آریہ سماج میں لانا چاہتے ہیں۔
پرویش کے دن سے ہی وہ سمجھ لے کہ آریہ سماج
کو اس کی شرکت پر کتنا فخر ہے۔ کہ سارا صوبہ
اس کے استقبال کے لئے دہلی میں موجود ہے
ہم نہیں سمجھتے کہ ایک جگیاسو کو کسی دھرم کی
شرن لینے کیلئے اتنی نمائش کی کیا ضرورت
ہے۔ اس نمائش نے آریہ سماج کی بہت کچھ
ہنسی کرائی ہے۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ اس
میں داخل ہونیوالے یہ سمجھتے کہ وہ غلط راستہ
پر جا رہے تھے۔ آریہ سماج نے ان کو ٹھیک
راستہ پر چلایا۔ وہ اپنے تئیں آریہ سماج کا
محسن سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے وقت ہے
کہ اس طریق کو بند کیا جاوے۔ اور جس طرح
پورانک لوگوں کو بغیر کسی نمائش کے آریہ
سماج میں لیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے
لوگوں کو بھی لیا جایا کرے۔ امید ہے۔ کہ
پنڈت بھوجدت جی ہمارے مدعا کو سمجھ
کر ہماری پرارتھنا پر دھیان دینگے۔

گوروکل کانگڑی اور مسٹر فریزر

مسٹر فریزر نے ہردوار کے گوروکل کو مذہبی رنگ میں پولیٹکل اغراض کی
تکمیل کا ذریعہ بتایا ہے وہ کہتے ہیں کہ گوروکل میں
سترہ سال کے سخت مطالعہ اور تربیت کے بعد
ہندوستانی نوجوان سخت خطرناک ہو جائیں گے اس
لئے گورنمنٹ کو خبردار کرتے ہیں کہ گوروکل کی طرف
سے ہوشیار رہے جو آئندہ پولیٹکل خطرے کا باعث
ثابت ہونے والا ہے۔ گوروکل کانگڑی کے متعلق
ایک ذمہ وار مدبر کی یہ رائے قابل غور ہے۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسٹر دھرمپال کی تحریروں
نے آریہ سماج کے سرگرم اور پرجوش ممبروں کو خصوصاً
اور کل آریہ سماج کو عموماً بیدار کر دیا ہے۔ یا یوں کہو کہ
آریہ سماج میں کھلبلی مچا دی ہے جب تک دھرمپال
کی تحریروں کا رخ مسلمانوں۔ عیسائی اور دیو سماجیوں
کی طرف تھا اس وقت سماجی بزرگ خوش ہوتے تھے
مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ابتدائی مشق کی تکمیل
کا میدان بالآخر آریہ سماج ہوگا۔
مسٹر دھرمپال نے اندر پر کفایت نہ کر کے اب چتند
نام ایک ہفتہ وار اخبار آریہ سماج اور اس کے بزرگوں
کی سیوا کیلئے شائع کرنا شروع کیا ہے جس میں اس نے
لیڈروں کے سربستہ اسرار کو کھولنا شروع کیا ہے۔
اور بالمقابل فریق مخالف نے (جو پہلے مسٹر دھرمپال
کا مداح تھا) اس کی قلعی کھولنا اپنا فرض سمجھا ہے اور
ایسے ذلیل کن پیرایہ میں دھرمپال سے خطاب
شروع کیا ہے۔ جو آریہ سماج میں لگی ہوئی آگ پر
تیل کا کام دیگا۔ پرکاش کی تازہ اشاعت میں "چیر
پن کی اصلیت یا دھرمپال کی خودکشی" نام کتاب
کا اعلان کیا گیا ہے جس کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے
کہ سنجیدگی اور متانت سے اس شخص کی نہایت ناپاک
اور مکروہ زندگی کا فوٹو کھینچا ہے۔ آریہ سماج میں پرویش سے پہلے
اور بعد کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات بتا کر
اچھی طرح ثابت کیا گیا "الآخر" ایسا ہی پرکاش کے
لیڈنگ آرٹیکل میں دھرمپال کے متعلق لکھا گیا ہے
کہ وہ یہ جد وجہد اس شخص کی طرف سے ہوتا ہے جس
کی آریہ سماج میں آنے سے پہلے کوئی حیثیت نہ تھی
جس کے لئے آریہ سماج نے اس قدر قربانی کی
لیکن جس نے آریہ سماج کے لئے ایک شمہ بھر بھی
قربانی نہیں کی جسکو آریہ سماج نے گمنامی کی تاریک
غار سے نکال کر شہرت کی بلند چوٹی پر بٹھا دیا
لیکن جس نے اپنی تحریر و تقریر و طرز عمل سے آریہ سماج
کو لوگوں کی نظروں میں گرایا جس کو آریہ سماج
نے دودھ پلایا لیکن جس نے آریہ سماج کو سانپ
کی طرح ڈسا جسکو آریہ سماج نے اپنا پسر سمجھ کر

پیار کیا لیکن جو ایسا نالائق نکلا کہ اُس نے اپنے باپ کی گردن پر چھری رکھدی جس کو آریہ سماج نے گرگ زادہ جانتے ہوئے۔ بکری کیطرح پالا لیکن جو آخر کار گرگ نکلا۔ ہائے موجودہ کشمکش اس شخص کیطرف سے شروع ہوئی ہے جو آریہ سماج کا تہ تھا تھا ہے اور نہ ہوگا۔

غرض اس طرح پر یہ ایک آریہ سماج کے کیمپ میں بقول پرکاش گھر ہی کے چراغ سے لگ چکی ہے مگر وہ نظارہ نہایت خوفناک ہوگا یہ بھڑک اپنے گھر کو تباہ کر ڈالیگی۔

مذہبی دنیا پر سرسری نظر

مسلمان بھی اب برہمن کہلا سکینگے

دکیں بحوالہ پرکاش رقمطراز ہے کہ ایک مسلمان بھی برہمنوں کے سے گن کرم سبھاؤ کرکے برہمن کہلا سکتا ہے اگر یہ صرف خوش کن الفاظ نہیں اور آریہ سماجی اس میدان میں قدم بڑھانیکے لئے طیار ہیں اور مسلمانوں سے نفرت کا خیال چھوڑ کر محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کیا عجب کہ آریہ سماجی دوست فائدہ اٹھائیں ہماری طرف سے پیغام صلح دیا گیا تھا کہ جس حال میں ہم ان کے مقدس بزرگوں کی عزت اور توقیر کرتے ہیں اور اُن کو خدا تعالٰے کے بھگت اور پریمی سمجھتے ہیں تو کیوں وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو راستباز اور مقدس انسان یقین نہیں کرتے۔ شرائط صلح نہایت سہل اور آسان تھیں مگر اب تک وہ اس طرف نہیں آتے پھر کیونکر سمجھا جاوے کہ اس قسم کی باتیں نری خوش کن ہی نہیں ان پر کوئی عمل درآمد یہ لوگ نہیں کرسکتے۔

اگر فی الواقعہ ایک مسلمان مسلمان رہ کر برہمنوں کے سے گن کرم سبھاؤ رکھ کر برہمن کہلا سکتا ہے تو آریہ بزرگ ایسے مسلمان برہمنوں کو نامزد کریں اور اپنی اخلاقی جرأت سے کام لیکر اکبری تعلقات کا سلسلہ شروع کریں دیکھنا چاہیئے کہ پرکاش اس تحریک کو آریہ جاتی میں کس رنگ سے پیش کرتا ہے۔

انگلستان کی اخلاقی تباہی

لنڈن کے بشپ نے اپنی ایک تازہ تقریر کے دوران میں فرمایا کہ میں ایک کنفشن (اقرار نوبہ) کرنے والا ہوں یہ ہے کہ میں اس قوم کی حالت سے پورا خوشنود و مطمئن نہیں ہوں جس سے متعلق ہونیکا مجھکو فخر حاصل ہے اس کی متعدد وجوہ میں سب بڑھکر قومی ور روزافزوں تفریق ہے جو متمول و غریب آدمیوں کے درمیان پائی جاتی ہے مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر صرف جسمانی پہلو سے ہم اپنی موجودہ حالت پر جو تنگ و تاریک کوچوں اور تیرہ و غلیظ گلیوں میں پائی جاتی ہے قانع ہوں تو یہ انگلستان کو بربادی کے گڑھے میں گرا کر دم لیگی لنڈن میں میں نوجوانوں کے انبوہ بہترین مصالح شراب خوری سے ضائع ہوتا دیکھتا ہوں اگر ہم قانون فلاکت زدگان کے عیش کی رپورٹ کے بعض بیانات پر نہیں شرماتے تو میں نہیں جانتا ہمیں اور کسی بات پر شرم آئیگی جس بیہودہ طریق سے ملک کے نوجوانوں کی زندگی ضائع کی جا رہی ہے اس پر میں سخت ملول و منفعل ہوتا ہوں"

لنڈن کے بشپ صاحب کی یہ تقریر یورپ کی حالت کا آئینہ ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ ہم سب اسی مرض کے مریض ہیں اللہ تعالٰے رحم کرے۔

بائیبل کے متعلق عیسائیوں کی کیا رائے ہے

اندرنے جان سٹوارٹ وین کی کتاب خدا اور اس کی کتاب میں سے مندرجہ ذیل اقتباس شائع کیا ہے۔

۱۔ رائٹ آنریبل رچرڈ ڈیلر شیل صاحب ممبر پارلیمنٹ لکھتے ہیں:۔

"بائیبل میں بہت سے حصے ایسے زوردار طور پر بلکہ ایسے بے پردہ طریقہ پر لکھے ہوئے ہیں۔ کہ وہ بے تحاشا پڑھے جانے کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔ عہد عتیق کے بعض حصوں میں . . . . کی ایک ایسی کھلی تصویر کھینچی گئی ہے۔ کہ کسی بھی نوجوان عورت کو ان حصوں پر غور کرنیکی اجازت نہیں ہونی چاہیئے میں یہ جرأت سے کہوں گا۔ کہ انگریزی کی غزلات میں خیالاتِ فاسد کو اس زور سے ظاہر نہیں کیا گیا۔ نہ ہی شہوت بھرے معاملات کو ایسے کھلے طریقہ پر رکھا گیا ہے جیسا کہ عہد عتیق کے بعض حصوں میں دیکھا جاتا ہے بائیبل میں اس قسم کے وحشی پن کی کہانیاں پائی جاتی ہیں۔ کہ جن کو پڑھکر انسانی فطرت کانپ اٹھتی ہے۔ اس مقدس کتاب کے بعض حصوں میں اس قسم کے تواریخی واقعات یا حکایات پائی جاتی ہیں۔ کہ جن کو ایک باعصمت عورت کے سامنے بغیر خوف پیدا کرنے کے نہیں پڑھا جاسکتا۔ کیا ایک عورت کو اپنے کمرے میں ایسی کتاب کے پڑھنے کی اجازت دینی چاہیئے۔ کہ جس کو وہ اپنے گھر میں سنتے تک سر ہی کانپ اٹھتی ہو۔ کیا وہ ایسی باتوں کو پڑھ سکتی ہے۔ جن کو وہ منہ سے نکالنے کی بنسبت مرجانا بہتر سمجھتی ہے"

۲۔ سوپریم کورٹ آف وکٹوریہ کے جج جسٹس ہنٹلی ولیمس صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں بلا خوف تردید کرسکتا ہوں۔ کہ آج تک کسی بھی انگریزی مصنف نے اس فحش کا دسواں حصہ بھی اپنی فحش کتاب میں نہیں لکھا۔ جو کہ عہد عتیق میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ

نمبر ۔۔۔ ۷ اور ۸ جولائی ۱۹۰۹ء کی درمیانی رات کو ۲ بجے کے قریب زلزلہ کا ایک جھٹکا محسوس ہوا ...